www.urdufanz.com
ہنگامے کی موت
اشتیاق احمد

(6)

محمود، فاروق، فرزانہ اور

انسپکٹر جمشید کے کارنامے ۶

ہنگامے کی موت

اشتیاق احمد

بار دوم ایک ہزار

قیمت ۴ روپے

ناشر
مکتبہ اقرأ ۸۸ میکوڈ روڈ لاہور

طابع : الجدہ پرنٹرز - لاہور

دو باتیں

"موت کی سرنگ" کی پسندیدگی کے لیے شکرگزار ہوں
یہ ہنگامے کی موت ہے.... ہر قدم پر ایک نیا فتنہ
جاگتا ہے اور آپ رکے بغیر پڑھتے چلے جائیں گے
..... اور اگر درمیان میں ابو امی نے کسی ضروری کام
کے لیے اٹھنے پر مجبور کر دیا تو ان کی بجائے مجھ پر ہی
غصہ کھا لیجئے گا..... کیونکہ قصوروار وہ نہیں، میں
ہوں گا... اور ہاں آئندہ ناول کا نام بھی سن لیں
... نام ہے "بنک کے ڈاکو"

اشتیاق احمد

ترتیب

مہمان غائب

دوست ملک کے صدر کو غسل خانے میں گئے تقریباً آدھ گھنٹہ ہو گیا تھا اور وہ ابھی تک باہر نہیں آئے تھے... جب کہ انہیں ٹھیک آدھ گھنٹے بعد شہر کے سب سے بڑے باغ نیشنل پارک میں پہنچنا تھا۔ آج شہر کے معزز لوگوں نے مہمان صدر کو دعوت دی تھی... غسل خانے کے باہر لوگ انہیں ہاتھوں ہاتھ لینے کے لئے تیار کھڑے تھے مگر... وہ تو جیسے نکلنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے... دروازے پر دستک دے کر انہیں وقت گزرنے کا احساس دلانا بھی اخلاق سے گری ہوئی بات تھی آخر وہ بچے تو نہیں تھے... انہیں تو خود بھی احساس تھا اور یوں بھی وہ وقت کی پابندی کے لئے بہت مشہور تھے۔

وہ پانچ روزہ سرکاری دورے پر آئے تھے... دونوں ملکوں کے تعلقات برسوں سے دوستانہ تھے اور ایک دوسرے سے تجارت بھی کرتے تھے یہی

وجہ تھی کہ دونوں کے حالات روز بروز بہتر ہوتے جا رہے تھے۔ یہ دورہ ان تعلقات کو اور مضبوط بنانے کے لئے کیا جا رہا تھا۔ آج انہیں آئے ہوئے صرف دوسرا دن تھا کہ شہر کے لوگوں نے انہیں دعوت دے ڈالی۔

انہیں پانچ تک لے جانا ملک کے نائب صدر کی ذمے داری تھی۔ وہ بھی اُن کے انتظار میں بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ آخر پندرہ منٹ اور گزر گئے لیکن غسل خانے کا دروازہ پھر بھی نہ کھلا۔ اب تو سب میزبانوں کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ معاملہ حد درجے پراسرار ہو گیا تھا۔

جب پانچ منٹ اور گزر گئے تو نائب صدر سے رہا نہ گیا۔ وہ غسل خانے کے دروازے پر آئے اور انگلی سے ٹھک ٹھک کی.... چند لمحے انتظار کیا... کوئی جواب نہ ملنے پر پھر دستک دی اور آخر بوکھلا کر انہوں نے دروازے کو دھڑا دھڑا ڈالا۔

یہ کوشش بھی بے سود گئی۔ اب تو سب کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی — سب کو یہ یقین ہو گیا کہ ضرور انہیں کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ ہو سکتا ہے ان کا پاؤں پھسل گیا ہو اور وہ گر کر بے ہوش ہو گئے ہوں — اس خیال کا آنا تھا کہ نائب صدر نے دروازہ توڑنے کا حکم دے دیا۔

ریسٹ ہاؤس بالکل نیا بنا تھا۔ اس کے دروازے بہت مضبوط بنائے گئے تھے.... اس لئے ریسٹ ہاؤس کے دو چوکیداروں کے مسلسل ٹکریں مارنے پر بھی دروازہ نہ ٹوٹا تو وہ اور بھی گھبرائے۔ آخر افراتفری میں آدمی ادھر

ادھر دوڑائے گئے.... بڑی مشکل سے بعد کہیں جا کر دروازہ ٹوٹا۔

دوسرا لمحہ ان لوگوں کی زندگی کا سب سے زیادہ حیران کن ترین لمحہ تھا۔ انہوں نے جو کچھ دیکھا، اس پر کسی طرح یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ ہر شخص نے یہی سمجھا.. ضرور اس کی آنکھوں کو دھوکا ہوا ہے اور جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے، دراصل بات وہ نہیں ہے....

لیکن نہیں... بات وہی تھی جو نظر آ رہی تھی.... اس پر بھی انہیں یقین نہ آیا۔ نائب صدر تو اس طرح آنکھیں پھاڑے کھڑے تھے جیسے پتھر کے بت میں تبدیل ہو گئے ہوں۔

ابھی پچاس منٹ پہلے مہمان صدر بالکل صحیح سلامت اور تندرست حالت میں ان سب کے سامنے غسل خانے میں داخل ہوئے تھے... ہنستے مسکراتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

"بس میں صرف دس منٹ لگاؤں گا.... اور پھر ہم مشیل پارک چلیں گے۔"

ان لوگوں کو ان کا وہ ہنستا مسکراتا چہرہ یاد آیا اور وہ حیرت کے مارے زور زور سے آنکھیں ملنے لگے۔ ایک صاحب کے منہ سے نکلا،

"نہیں... نہیں... یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم لوگ ضرور خواب دیکھ رہے ہیں۔"

"اف خدا... کیا میں خواب نہیں دیکھ رہا۔ خدا کرے یہ خواب ہی ثابت ہو۔" نائب صدر کے منہ سے نکلا۔ ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹی پڑ رہی تھیں... لیکن جو حقیقت تھی، اسے خواب کہہ کر نظر انداز کیا جانا ناممکن تھا۔

اور یہ حقیقت ہی تھی کہ مہمان صدر اس وقت غسل خانے میں موجود نہیں تھے۔

○

نیشنل پارک میں سب لوگ بے چینی سے مہمان کا انتظار کر رہے تھے... تمام وزراء اور بڑے بڑے افسر بھی تشریف فرما تھے... اس وقت تک مہمان صدر کو آجانا چاہیے تھا۔ لوگ بار بار گھڑیوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ گھڑیوں سے ان کی نظریں باغ کے دروازے کی طرف جا رہی تھیں۔ جسے دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔

مہمانوں میں خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی تھے... اُن کے ساتھ ان کے بچے بھی آئے تھے... ان کے علاوہ اور بھی بڑے بڑے مشہور لوگ یہاں موجود تھے... البتہ انسپکٹر جمشید یہاں موجود نہیں تھے۔ آج ان کی ڈیوٹی اس راستے پر لگائی گئی تھی جس سے مہمان صدر کو آنا تھا۔

"خدا جانے کیا بات ہے... اس وقت تو مہمانوں کو آجانا چاہیے تھا۔" ایک صاحب نے بڑبڑا کر کہا۔ لوگوں نے ان کی طرف دیکھا... یہ ایک سفید داڑھی والے بزرگ قسم کے آدمی تھے۔

"ضرور کوئی خاص بات ہے... معلوم کرنا چاہیے... آخر یہ حکام کیا کر رہے ہیں... یہ ریسٹ ہاؤس کو فون کیوں نہیں کرتے۔" داڑھی مونچھوں کے بغیر سفید رنگ کے چہرے والے ایک آدمی نے جھنجھلا کر کہا۔

"ڈاکٹر خاور صاحب! ان حکام سے تو خدا ہی سمجھے گا۔" عینک والے ایک آدمی نے کہا۔

"مجھے تو گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔" سفید داڑھی والے پھر بولے۔

"مولانا قادری صاحب... خدا کے لیے گڑبڑ کا نام بھی منہ سے نہ نکالیں۔" ڈاکٹر خاور بولے۔

"کیوں صاحب — اس میں کیا حرج ہے۔" مولانا تلملا کر بولے۔

"دونوں ملکوں کے تعلقات بہت اچھے ہیں، اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو تعلقات خراب ہو جائیں گے۔" ڈاکٹر خاور نے کہا۔

"اوہ!" مولانا قادری کے منہ سے نکلا۔

"بات معقول ہے۔" خان رحمان نے پہلی مرتبہ گفتگو میں دخل دیا۔

"شکریہ جناب..." ڈاکٹر خاور نے خوش ہو کر کہا۔ "دیکھئے نا... دشمن ملک کب سے دونوں ملکوں کے حالات خراب کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ایسے میں اس قسم کی بات زبان سے نکالتے ہوئے بھی ڈرنا چاہیے... سی آئی ڈی کے آدمی یہاں چاروں طرف گشت کر رہے ہیں... ایسا نہ ہو وہ سن لیں اور انہیں ہم پر بھی شک ہو جائے۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" پروفیسر داؤد نے بھی ڈاکٹر خاور کی تائید کی پھر بولے۔ "میں نے آپ کا نام سن رکھا ہے... شاید آپ ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ ملک کے سب سے بڑے کاروباری آدمی بھی ہیں۔"

"آپ نے ٹھیک سمجھا" ڈاکٹر خاور بولے۔

"میرا خیال ہے ... اب حکام کو ریسٹ ہاؤس سے ضرور معلوم کرنا چاہیے" مولانا قادری بولے۔

"معلوم ہوا ہے کہ کچھ دیر پہلے فون کیا گیا تھا، ادھر سے یہ جواب ملا تھا کہ صدر صاحب غسل کر رہے ہیں۔"

"حیرت ہے ... اتنی دیر غسل میں لگا دی" ڈاکٹر خاور بولے۔

"ویسے سنا ہے کہ مہمان وقت کے بہت پابند ہیں" مولانا قادری نے کہا۔

"کم از کم آج تو وہ وقت پر آتے نظر نہیں آتے" پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔ ٹھیک پانچ بج رہے تھے اور یہ وقت تھا، مہمان کی کار کے اندر داخل ہونے کا، لیکن کار کا تو دور دور تک پتا نہیں تھا۔ ہر طرف بے چینی کی لہر دوڑنے لگی تھی۔ لوگ اٹھ اٹھ کر دیکھنے لگے۔ کچھ لوگ تو اٹھ کر دروازے کی طرف چل پڑے ... لیکن حفاظتی دستے نے ان سے درخواست کی کہ اس طرح سارا انتظام درہم برہم ہو جائے گا اس لئے اپنی اپنی جگہ پر بیٹھیں — مہمان ابھی آتے ہی ہوں گے — اچانک پارک کے دفتر والے کمرے سے ایک شخص بوکھلایا ہوا برآمد ہوا — وہ سیدھا ایک افسر کے پاس آیا اور جھک کر اس کے کان میں کچھ کہا — افسر کا رنگ اڑ گیا۔ لوگ انہیں گھور گھور کر دیکھنے لگے۔

آخر چند منٹ بعد لاؤڈ سپیکر پر یہ اعلان کیا گیا:

"خواتین و حضرات! مہمان صدر کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔ اس لئے انہوں نے یہاں آنے کا پروگرام مجبوری کی حالت میں کینسل کر دیا ہے۔ انہوں نے آپ لوگوں سے معافی بھی چاہی ہے ... انشاء اللہ طبیعت ٹھیک ہوتے ہی وہ آپ کی دعوت میں شریک ہو سکیں گے — ہمیں امید ہے کہ یہ دعوت اب کل یا پرسوں دی جا سکے گی۔ اخبارات کے ذریعے آپ لوگوں کو مطلع کر دیا جائے گا — اب آپ لوگ دعوت شروع کریں ... آپ تمام سے درخواست کی جاتی ہے کہ کوئی صاحب بھی کھائے پیے بغیر نہ جائیں۔"

سب کے منہ لٹک گئے — ان کا جوش ماند پڑ گیا۔ بجھے دل سے انہوں نے کھانے کی چیزوں کی طرف ہاتھ بڑھائے — انہیں کیا معلوم تھا ... صدر کو اغوا کر لیا گیا تھا اور ریسٹ ہاؤس میں موجود تمام لوگوں کو وہیں روک لیا گیا تھا تاکہ یہ خبر باہر نہ جا سکے — مہمان کے ساتھ جو دوسرے لوگ آئے ہوئے تھے، ان سے بھی یہی درخواست کی گئی تھی کہ خاموش رہیں۔ اس پر ایک مہمان نے کہا تھا۔

"آخر آپ کب تک اس خبر کو چھپائیں گے؟"

"ہم بہت جلد صاحب صدر کو تلاش کر لیں گے — ہمارے پاس تیز طرار لوگ ہیں — وہ ابھی یہاں آتے ہی ہوں گے۔ انہیں فون کر دیا گیا ہے —" ایک آفیسر نے جواب دیا۔

"وہ کون ہیں؟"

"انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے —" آفیسر بولا۔

★

بلاوا آگیا

انسپکٹر جمشید سڑک پر گشت لگا رہے تھے.... ان کے تمام ماتحت بھی مختلف مقامات پر چوکس تھے.... ابھی تک ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ مہمان کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا اور یہ کہ وہ آج نیشنل پارک نہیں آسکیں گے. وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور انسپکٹر جمشید بہت پریشان تھے... آخر انہوں نے اکرام سے کہا۔

"نہ جانے مجھے کیوں ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ آج ضرور کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے۔"

"عجیب بات ہے — حالات — تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔"

"میری ڈیوٹی غلط جگہ لگائی گئی ہے... ذرا سوچو.... اگر ریسٹ ہاؤس میں کوئی گڑبڑ ہو جائے تو کیا ہو گا وہاں تو کوئی بھی ایسا آدمی موجود نہیں جو

حالات کو کنٹرول کرے گا یا گڑبڑ کو ہونے سے روک دے گا۔"

"پھر — آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔"

"میں کر بھی کیا سکتا ہوں — ڈیوٹی چھوڑ کر جانے سے تو رہا۔" انہوں نے شانے اچکائے۔

"میرا خیال ہے، کچھ بھی نہیں ہوا — بس ذرا وہ لیٹ ہو گئے ہیں۔" اکرام بولا۔

"شاید تم نہیں جانتے .... مہمان وقت کے بہت پابند ہیں... وہ ایک سیکنڈ بھی ادھر سے ادھر نہیں ہونے دیتے۔"

"اوہ — پھر تو ان کے یہاں سے گزرنے کا وقت ہو چکا ہے —" اکرام نے چونک کر کہا۔

"اسی لئے تو میں فکرمند ہوں۔"

اسی وقت ان سے کچھ فاصلے پر ایک کار آکر رکی — اس میں بیٹھے ہوئے آدمی نے سر باہر نکال کر پولیس کے آدمی کو اپنی طرف بلایا۔ اور کچھ پوچھا۔ جواب میں اس نے انسپکٹر جمشید کی طرف اشارہ کر دیا — کار سیدھی ان کی طرف آئی۔

"یا الٰہی خیر۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"آپ میں سے انسپکٹر جمشید کون ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"جی فرمایئے — میرا نام ہے۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولے۔

"میرا نام جمال دین بلوچ ہے... میں لیفٹیننٹ ہوں.... اس وقت

ریسٹ ہاؤس سے آرہا ہوں۔"

"ریسٹ ہاؤس سے ـــ!" انسپکٹر جمشید نے چونک کر کہا۔

"ہاں، وہاں آپ کی ضرورت ہے۔"

"آپ کو کس نے بھیجا ہے۔"

"اس وقت وہاں کرنل امتیاز موجود ہیں ـــ جلد ہی دوسرے آفیسر بھی آنے والے ہیں۔ آپ کے لئے کرنل صاحب کا پیغام ہے کہ فوراً ریسٹ ہاؤس پہنچ جائیں۔"

"کیوں ـ خیر تو ہے۔"

"یہ آپ کو کرنل صاحب ہی بتائیں گے۔ میں کچھ نہیں جانتا... میں تو ریسٹ ہاؤس کے دروازے پر موجود تھا ـ کہ انہوں نے خود باہر آ کر پیغام دیا۔"

"بہت خوب ـ کیا آپ واپس ریسٹ ہاؤس جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی ہاں! کیا آپ میرے ساتھ چلیں گے۔" جمال دین نے پوچھا۔

"جی نہیں ـ میں اپنی موٹر سائیکل پر آنا پسند کروں گا ـ آپ چلئے۔ میں پہنچ رہا ہوں۔"

"شکریہ!" یہ کہتے ہوئے اس نے کار چلا دی۔

"کیوں اکرام! اب کیا کہتے ہو۔" انہوں نے فکر مند ہو کر کہا۔

"حیرت ہے ـ آپ شاید جادوگر ہیں۔"

"نہیں ـ یہ سب اندازے ہیں ـ خیر... تم یہیں ٹھہرو... میں چلتا ہوں اور ہاں ـ بیگم شیرازی کو فون کر کے ان تینوں کو بھی ریسٹ ہاؤس میں پہنچنے کی ہدایت کر دو۔"

"جی بہت بہتر۔" اکرام بولا۔

انسپکٹر جمشید موٹر سائیکل پر بیٹھ کر ریسٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئے ان کی موٹر سائیکل سڑک پر کئی کئی انچ اچھل رہی تھی۔

○

بیگم جمشید نے آج شام کی چائے کے ساتھ پکوڑے تلے تھے۔ پکوڑوں کی فرمائش فرزانہ نے کی تھی، کیونکہ اسے بہت پسند تھے... محمود اور فاروق کو بھی پسند ضرور تھے، لیکن اس حد تک نہیں کہ فرمائش کر کے تلواتے۔

"یہ پکوڑے بھی عجیب چیز ہیں... ان سے کوئی محاورہ بھی تو نہیں نکلتا۔" فاروق نے ایک پکوڑا منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"محاورہ نکلتا ہو یا نہ... کھانے میں مزے دار ضرور ہوتے ہیں۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"ہاں آں... اگر امی کے ہاتھ کے بنے ہوئے ہوں ـ اور اگر کہیں تم نے بنائے ہوں تو مزے کی بجائے پکوڑے کھا کر رونا آ جائے۔" محمود نے کہا۔

"بھلا وہ کیسے — رونا کیسے آئے گا۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"اگر مرچیں زیادہ ڈال دو گی تو بغیر کوشش کے ہی آنکھ سے آنسو جاری ہو جائیں گے ... نمک زیادہ ڈال دو گی تو پکوڑوں کے ذائقے پر رونا آئے گا اور اگر کہیں بیسن زیادہ ڈال دیا تو خود تم پر رونا آئے گا۔" فاروق کہتا چلا گیا۔

"معلوم ہوتا ہے تم نے رونے کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔" محمود نے جل کر کہا۔

"اور تم نے جلنے کا۔" فاروق بھلا کب چپ رہنے والا ہے۔

"بھئی اگر تمہیں پکوڑے پسند نہیں تو مت کھاؤ — میں خود ہی سارے کھا لوں گی۔" فرزانہ نے مزے لے لے کر کھاتے ہوئے کہا۔

"پیٹ پھول جائے گا — بیسن اندر جا کر پھول جاتا ہے۔" محمود نے کہا۔

"دوسرے لفظوں میں تم پھول کر کپا بن جاؤ گی —" فاروق نے جھٹ کہا۔

"کپا نہیں ... کپی —" محمود نے جیسے اسے یاد دلایا۔ "کچھ مذکر مونث کا بھی لحاظ رکھا کرو —"

"بہت بہتر بھائی جان!" فاروق نے ادب سے کہا۔

"کپے ہو گے تم خود — مجھے ایسا مذاق پسند نہیں۔" فرزانہ جھلا اٹھی۔

"تو پھر کیسا پسند ہے —" فاروق شریر انداز میں مسکرایا۔

"دیکھئے امی — مجھے جلانے پر تل گئے ہیں۔"

"تم جلتی ہی کیوں ہو — ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دو۔" بیگم جمشید ہنس کر بولیں۔

"اس کے لئے فرزانہ کو کانوں کے آر پار سوراخ کرنا پڑے گا۔" فاروق بول اٹھا۔

"دھت تیرے کی — تم تو اس غریب کے پیچھے ہاتھ دھو کر ہی پڑ گئے ہو۔" محمود نے منہ بنایا۔

"نہیں تو — میں نے تو ابھی تھوڑی دیر پہلے منہ دھویا تھا۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تم سے خدا سمجھے —" بیگم جمشید کی ہنسی نکل گئی۔

"اسے سمجھنے کی کیا ضرورت ... وہ تو سب کچھ جانتا ہی ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"رک سکتی ہے بھلا قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبان؟" فرزانہ تلملا کر بولی۔

"کوئی نئی بات کرو۔"

"ہاں، اور اگر نئی باتوں کا اسٹاک ختم ہو گیا ہے تو فاروق سے لے لو —" محمود نے کہا۔

"تم دونوں یوں نہیں مانو گے۔"

فرزانہ نے یہ کہتے ہی پلیٹ اٹھائی اور اندر کمرے میں بھاگ گئی۔

"آج تو تم نے شکست فاش دے دی امی۔" فاروق اسے جاتے ہوئے دیکھ کر بولا۔

"بھلو [illegible] ہے تمہاری — ابھی پکوڑے کھانے کے بعد آ کر ہماری خبر لے گی۔"

"ہاں — ضرور اندر سے کچھ سوچ کر باہر نکلے گی۔"

"تو پھر جلدی جلدی چائے پیو — ہم اپنے کمرے میں جا کر بند ہو جاتے ہیں۔"

دونوں جلدی جلدی چائے پینے لگے۔ بیگم جمشید مسکراتی رہیں — اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

"بیگم شیرازی —" محمود کے منہ سے نکلا۔ ساتھ ہی اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

"اکرم نے فون کیا ہے — تم تینوں کو تمہارے اباجان نے ریسٹ ہاؤس میں بلایا ہے۔"

"کیا!!" محمود نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

★

خفیہ راستہ

ریسٹ ہاؤس کے ایک کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اس کے دونوں طرف دو فوجی پہرہ دے رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ برآمدے میں بھی چند فوجی بے چینی کے عالم میں ٹہل رہے تھے۔ ان سے کچھ فاصلے پر سرکاری آفیسر کھسر پھسر کر رہے تھے۔ ان سے کچھ فاصلے پر تین ڈاکٹر حیران اور پریشان کھڑے تھے۔

اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور محکمہ سراغرسانی کے آئی جی شیخ افتخار احمد صاحب نے سر باہر نکالتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر صاحبان! آپ تشریف لا سکتے ہیں۔"

ڈاکٹروں نے بے تابی کے عالم میں اپنا اپنا بیگ اٹھایا اور کمرے میں داخل ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی دروازہ بند کر دیا گیا۔ ڈاکٹروں نے دیکھا۔ مسہری

پر کوئی سر سے پاؤں تک لحاف لیے سو رہا ہے۔

"آخر ہمارے مہمان کو ہوا کیا ہے؟"

"بیماری کا نام تو آپ ہی بتائیں گے۔" آئی جی صاحب نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔ ان کے ساتھ کمرے میں ڈی آئی جی بھی تھے۔

"کیا مطلب؟" ڈاکٹر چونکے۔

"دیکھیے... شہر کے سب سے بڑے تینوں ڈاکٹر آپ ہیں... میرا خیال ہے کہ آپ کو اپنے ملک اور قوم سے حد درجے محبت ہو گی — کیا یہ ٹھیک ہے؟"

"جی ہاں — یہ بالکل ٹھیک ہے — ملک اور قوم کے لیے تو ہم ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔"

"تو پھر سنیے — باہر جا کر آپ اخباری رپورٹروں کو یہی بیان دیں گے کہ مہمان صدر کو اچانک شدید سر درد ہو گیا ہے..... اور پریشانی کی کوئی بات نہیں.... وہ صرف ایک دو دن میں بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔" آئی جی صاحب کہتے چلے گئے۔

"اس کا مطلب ہے، بات یہ نہیں.... کچھ اور ہے۔"

"ہاں — بات بے شک کچھ اور ہے۔ لیکن کیا ہے.... اسے ایک سرکاری راز سمجھ لیجیے۔ ہم مجبور ہیں — آپ کو ہی نہیں.. کسی کو بھی نہیں بتا سکتے کہ ماجرا کیا ہے — بس آپ تینوں باہر جا کر بالکل ایک جیسا بیان دے دیں.."

"یہیں بیٹھ کر طے کر لیں کہ کیا بیان دینا ہے؟" انہوں نے کہا۔

"تو کیا ہم مریض کو نہیں دیکھیں گے؟"

"نہیں — انہیں کسی ڈاکٹری علاج کی ضرورت نہیں۔"

"بہت بہتر۔"

اس کے بعد انہوں نے چند منٹ تک گھسر پھسر کی اور اجازت لے کر کمرے سے باہر چلے گئے۔ یہ صرف اس لیے کیا گیا تھا کہ اخبارات میں خبر آ جائے اور عوام کی الجھن دور ہو جائے۔

"اب کیا ہو گا؟" ڈی آئی جی فکر کے مارے پیلے پڑ گئے تھے۔

"میں انسپکٹر جمشید کا انتظار کر رہا ہوں — میرا خیال ہے، وہ بہت جلد انہیں ڈھونڈ نکالے گا۔" آئی جی بولے۔

"لیکن اس موقع پر ہمیں صرف انسپکٹر جمشید سے ہی نہیں کچھ اور لوگوں سے بھی کام لینا چاہیے؟"

"اس طرح بات کھل جانے کا خطرہ ہے... جتنے زیادہ لوگوں کو اصل بات معلوم ہو گی۔ اتنا ہی زیادہ بھید کھل جانے کا خطرہ ہو گا۔" آئی جی بولے۔

"ہوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" ڈی آئی جی نے کہا۔

"مجھے حیرت ہے — انسپکٹر جمشید اب تک نہیں آیا؟"

"نہ جانے سڑک پر کس جگہ موجود ہو گا... بچارے آدمی کو راستے تلاش کرنے میں دیر تو ہوئی ہو گی۔"

"اوہ ہاں — یہ بھی ٹھیک ہے — مگر جناب کمال ہے — آخر مجرموں نے مہمان کو ریسٹ ہاؤس سے غائب کس طرح کر دیا۔"

"ضرور پہلے ہی پروگرام بنا لیا گیا تھا... اور ظاہر ہے... یہ دشمن ملک

کے جاسوسوں کا کام ہے۔ نہ جانے ہمارے ملک میں کتنے جاسوس اس کے بکھرے ہیں... بہر حال یہ قدم بہت بڑے منصوبے کے تحت اٹھایا گیا ہے... ورنہ ریسٹ ہاؤس سے مہمان کا غائب ہو جانا سمجھ میں آنے والی بات نہیں اور وہ بھی غسل خانے سے۔"

"ہاں جب کہ غسل خانے میں انہیں آنکھوں سے کچھ لوگوں نے جاتے دیکھا تھا... پھر آخر وہ کہاں گئے۔ کس راستے سے گئے۔ یہ تو ایسا لگتا ہے جیسے انہیں جادو کے زور سے غائب کر دیا گیا ہو..."

"ہاں۔ لگتا تو ضرور ہے... لیکن افسوس... آج کل جادو کا زمانہ نہیں ہے۔" ڈی آئی جی بولے۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ دونوں چونک اٹھے۔

○

ڈی آئی جی صاحب نے دروازہ تھوڑا سا کھول دیا۔ وہاں انسپکٹر جمشید موجود تھے۔

"آؤ جمشید، تمہارا ہی انتظار تھا۔ ہم مارے گئے۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"خیر تو ہے جناب۔"

"پہلے اندر آ جاؤ۔" ان کے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا گیا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے وزیر اعظم یہاں سے اٹھ کر گئے ہیں... وہ بھی تمہارا انتظار کر رہے تھے۔"

"آخر ہوا کیا۔" ساتھ ہی ان کی نظر محمود پر پڑی اور ان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"اور ابا!"

"کیا ہوا؟" آئی جی صاحب۔ حیران ہو کر کہا۔

"کیا مہمان صدر اغوا ہو چکے ہیں؟" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"تم نے کیسے جانا... ابھی تک ہم نے کسی کو بھی یہ بات نہیں بتائی۔" انہوں نے بھی حیران ہو کر کہا۔

"آپ نے گارڈ بالکل سیدھے رکھے ہیں... اور پھر حالات بالکل صاف ہیں... سانس کی آمد و رفت سے جو حرکت ہوتی ہے، وہ دکھائی نہیں دی۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ مہمان یہاں نہیں ہیں... اگر وہ یہاں نہیں ہیں تو اور بھی کہیں نہیں ہو سکتے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ انہیں اغوا کر لیا گیا ہے۔"

"تم ٹھیک پتے پر پہنچے ہو۔ یہ ضرور دشمن ملک کے جاسوس کی حرکت ہے۔ اسی لئے تمہیں یہاں بلایا گیا ہے۔ تمہیں صرف چھ گھنٹے دیے جاتے ہیں... کل اس وقت مہمان صدر کو یہاں موجود ہونا چاہیے۔ یہ ملک اور قوم کی عزت کا مسئلہ ہے۔ خدا نخواستہ اگر مہمان کو کچھ ہو گیا تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ دونوں ملکوں کے ہمارے تعلقات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خراب ہو جائیں گے۔ [illegible] وہ ہمارے دشمن کی طرف جھک جائے گا اور ان دونوں کے دوست بن جانے کی صورت میں ہم بڑا خطرات۔"

گھر جا بیٹھے گے..... لیکن ایسا نہیں ہونا چاہیے۔" آئی جی صاحب پرجوش انداز میں کہتے چلے گئے۔ ریسٹ ہاؤس کا ہر کمرہ ساؤنڈ پروف تھا، اس لیے آواز باہر جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔

"آپ بے فکر رہیں۔ خدا نے چاہا تو میں چوبیس گھنٹے سے پہلے انہیں تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا اور نہ صرف یہ بلکہ انہیں جن لوگوں نے اغوا کیا ہے، انہیں بھی گرفتار کر کے آپ کے سامنے لاؤں گا۔"

"بہت خوب ــ تو پھر تم کام شروع کر دو ــ کام کہاں سے شروع ہو گا؟" آئی جی صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

"یہیں سے..... سب سے پہلے میں اس غسل خانے کا معائنہ کروں گا جس میں وہ نہا رہے تھے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور آئی جی صاحب اور ڈی آئی جی صاحب حیرت زدہ رہ گئے۔

"لیکن ہم نے تمہیں یہ کب بتایا ہے کہ وہ غسل خانے سے غائب ہوئے ہیں۔" ڈی آئی جی صاحب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں جانتا ہوں ــــ وہ میٹنگ میں جانے سے پہلے نہانے کے لیے غسل خانے میں گئے تھے اور واپس نہیں آئے، کیونکہ فون پر یہی بتایا گیا تھا کہ مہمان غسل کر رہے ہیں۔"

"بہت خوب، تو پھر آؤ ــــ ہم غسل خانے میں چلیں۔"

"آپ تکلیف نہ کریں۔ میں خود ہی دیکھ لوں گا۔"

"اچھی بات ہے ــ یہ بھی ٹھیک رہے گا ــ ہمارا یہاں موجود رہنا بھی تو ضروری ہے۔"

"اور ہاں ــ محمود، فاروق اور فرزانہ بھی یہاں آنے والے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ انہیں باہر روک لیا جائے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ٹھیک ہے ــ میں دروازے پر ہدایات بھیج دیتا ہوں۔"

انسپکٹر جمشید دروازے سے نکل کر غسل خانے میں آئے۔ انہوں نے پہلے تو دروازہ اندر سے بند کیا اور پھر غور سے اس کا جائزہ لینے لگے۔ غسل خانے میں سے کسی کے نکلنے کا دروازے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ ایک چھوٹا سا روشن دان ضرور تھا، لیکن وہ اتنا چھوٹا تھا کہ کوئی ننھا سا بچہ تو ضرور اس میں سے نکل سکتا تھا، لیکن کسی جوان آدمی کا نکلنا ناممکن تھا۔ دوسرے یہ کہ روشن دان کے باہر چالیس فٹ نیچے پتھریلی زمین تھی... اگر کوئی اس کے ذریعے سے نکلنے کی کوشش میں کامیاب بھی ہو جائے تو وہ سیدھا نیچے جا گرے اور ہڈی پسلی ایک ہو جائے۔ اب چونکہ غسل خانے میں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا اور دروازہ اندر سے بند تھا، کیونکہ مہمان صدر نہا رہے تھے، اس لیے صرف ایک ہی بات ہو سکتی تھی کہ غسل خانے میں کوئی خفیہ راستہ ہے۔

اور اس خیال کے آتے ہی انسپکٹر جمشید نے غسل خانے کے ایک ایک انچ کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ آخر انہیں ایک جگہ سنگ مرمر کی دیوار پر سیاہ رنگ کا دھبہ سا دکھائی دیا۔ غور سے دیکھنے ــ میں ہی نظر آتا تھا کہ یہ

نشان پتھر کے اندر ہی ہے۔ اس لئے کوئی دوسرا اس کی طرف ہرگز دھیان نہ دیتا۔ لیکن وہ انسپکٹر جمشید تھے۔ ان کی نظروں سے ایسی چیز بچ نہیں سکتی تھی۔ انہوں نے اس پر انگلی پھیری تو وہ کچھ دبتا محسوس ہوا۔ وہ چونک اٹھے۔ انہوں نے اللہ کا نام لے کر سیاہ دھبے کو پوری طاقت سے دبا دیا۔ فوراً ہی فرش کی ایک سل اوپر اٹھ گئی اور زینہ نمودار ہوا۔ وہ حیران رہ گئے۔۔۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ سیڑھیاں اترتے چلے گئے۔

★

پُراسرار بوڑھا

"حیرت ہے۔۔۔ آخر ابا جان نے ہمیں ریسٹ ہاؤس میں کیوں بلوایا ہے۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"حیرت بعد میں ظاہر کر لینا۔۔۔ پہلے ریسٹ ہاؤس کی طرف چل پڑو۔" فرزانہ بولی۔

"بالکل! اس وقت واقعی فرزانہ نے عقل کی بات کی ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"تو اس کا مطلب ہے، عام طور پر میں بے وقوفی کی باتیں کرتی ہوں۔" فرزانہ کا منہ بن گیا۔

"مطلب تم جو نکالنا چاہو نکال سکتی ہو۔" فاروق مسکرایا۔

"چلو یار۔ کہیں تمہاری زبان نہ چل پڑے۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"اور اگر وہ چل پڑی تو ہم نہیں جا سکیں گے۔ بس اس کی زبان ہی چلے گی۔" فرزانہ بھلا کب خاموش رہنے والی تھی۔

"اب تم دونوں خود مذاق کر رہے ہو۔ اچھا امی جان ہم چلتے ہیں۔"

"جاؤ! خدا تمہاری حفاظت کرے۔"

"آمین — خدا حافظ۔" ان کے منہ سے نکلا اور تینوں گھر سے نکلے۔ انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا... دور دور تک کسی ٹیکسی کا نشان نہیں تھا۔

"اب کیا کریں۔" محمود نے پوچھا۔

"آؤ دوڑ لگائیں۔" فرزانہ بولی۔

"لوگ ہمیں پاگل خیال کریں گے۔"

"کرتے رہیں۔ ہم ریسٹ ہاؤس تو جلد پہنچ جائیں گے۔"

"تو پھر آؤ... تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چلتے ہیں... اس دوران اگر کوئی ٹیکسی مل گئی تو اس میں بیٹھ جائیں گے۔" محمود نے تجویز پیش کی۔ دونوں نے اسے پسند کیا اور وہ تیزی سے قدم اٹھانے لگے۔

ریسٹ ہاؤس کا فاصلہ ان کے گھر سے تقریباً دو میل تھا۔ اگر انہیں جلدی نہ ہوتی تو وہ پیدل ہی وہاں تک پہنچنا پسند کرتے، لیکن اس وقت مجبوری تھی..... اس لئے انہیں پیدل ہی سفر کرنا پڑ گیا تھا۔

"ٹیکسیاں تو یوں لگتا ہے جیسے پر لگا کر اڑ گئی ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"بے وقوف ہو تم۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"اچھا — کیا یہ بات تمہیں ابھی اور اسی وقت معلوم ہوئی ہے؟" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں — کیا تمہیں یہ بات پہلے ہی معلوم تھی؟" محمود نے بھی حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! بالکل معلوم تھا — لیکن یہ تو بتاؤ کہ اس وقت یہ خیال اچانک تمہیں

کس طرح آیا؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"آج سارے شہر کی ٹیکسیاں نیشنل پارک میں گئی ہوں گی — یہ بات تو عام آدمی بھی سوچ سکتا ہے۔"

"اوہ —" فاروق کے منہ سے نکلا۔ "واقعی میں بے وقوف ہوں — مجھے یقین آگیا۔"

"شکر ہے۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"آخر ہم کب تک پیدل چلتے رہیں گے؟" محمود نے کہا۔

"جب تک ریسٹ ہاؤس نہیں آجاتا — یا جب تک کوئی ٹیکسی نہیں مل جاتی۔" فرزانہ نے کہا۔

"بھلا اس وقت اس جملے کی کیا تک تھی — اس کا مطلب ہے محمود تم بھی بے وقوف ہو۔"

"لگتا تو کچھ ایسا ہی ہے۔" فرزانہ خوش ہو کر بولی۔

"اب رہ گئی فرزانہ — اس کا مطلب ہے... فرزانہ ہم سے کم بے وقوف ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"بغیر دلیل کے مجھے بے وقوف ثابت کرنے کی ناکام کوشش نہ کرو۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"اچھا.... نہیں کرتا... ارے... یہ لوگ اس بوڑھے آدمی کو سہارا دیتے کہاں لئے جا رہے ہیں؟" فرزانہ نے کہتے کہتے وہ چونک پڑا — اس کی نظر سامنے تھی۔ دوسری طرف سے تین آدمی ایک بوڑھے آدمی کو سہارا دیئے

لا رہے تھے — وہ فٹ پاتھ پر چلے آ رہے تھے، بوڑھے آدمی کی آنکھیں بند تھیں اور یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے ہوش میں نہ ہو، اس کے باوجود وہ قدم ضرور اٹھا رہا تھا۔ آخر وہ نزدیک پہنچ گئے۔

"کیا ہوا جناب انہیں؟"

"ایکسیڈنٹ ... ایک کار کا دھکا لگا ہے، بیچارے بے ہوش ہو گئے تھے ... بڑی مشکل سے انہیں ہوش میں لائے ہیں اور اب ہسپتال لے جا رہے ہیں ... آج کوئی ٹیکسی بھی تو نہیں نظر آتی۔"

"اوہ! آپ تینوں بہت اچھے آدمی ہیں — کیا ہم آپ کی کوئی مدد کر سکتے ہیں؟" محمود نے کہا۔

"نہیں ... شکریہ ... ہم انہیں ہسپتال میں پہنچا دیں گے اور پھر ان سے گھر کا پتا معلوم کر کے ان کے گھر والوں کو بھی اطلاع کر دیں گے۔"

"بہت خوب، خدا آپ کو اس نیکی کا اجر دے گا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئے ... ابھی تک انہیں کوئی ٹیکسی نہیں ملی تھی اور نہ ملنے کا امکان تھا۔

"معلوم ہوتا ہے ... آج ہم پیدل ہی ریسٹ ہاؤس جا پہنچیں گے۔" محمود نے کہا۔

"چلو خیر — مقصد تو وہاں پہنچنا ہی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"مجھے اس بوڑھے کا خیال ستا رہا ہے ... نہ جانے وہ کون ہے ... اس کا گھر کہاں ہے ..." محمود نے کہا۔

"اس کے لئے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے ... خدا کے فضل سے وہ بالکل ٹھیک ہے۔ ہسپتال والے بھی ... ہسپتال ... ہسپتال ... ہسپتال ...." فرزانہ کہتے کہتے رک گئی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یہ تم ہسپتال کی گردان کیوں کرنے لگے؟" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"وہ تینوں اسے ہسپتال لے جا رہے تھے نا؟" اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں بالکل ایسا ہسپتال لے جانا گناہ ہے؟"

"تو پھر سنو — ہم تینوں ہی بے وقوف ہیں۔" فاروق نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب — اس کے ہسپتال لے جانے کا ہماری بے وقوفی سے کیا تعلق؟" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تعلق ہے — بہت زبردست تعلق ہے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"یار — کہیں تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔"

"نہیں — تم دونوں کا ہو گیا ہے ... ہسپتال تو اس طرف ہے ہی نہیں جس طرف ہم جا رہے ہیں ... تو پھر وہ اس بوڑھے کو کون سے ہسپتال لے جا رہے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"ارے — اوہ۔" محمود اور فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"یہ کیا ماجرا ہے؟"

"اگر ہمیں جلدی نہ ہوتی تو ضرور اس ماجرے کا کھوج لگاتے — لیکن اس وقت تو ہمیں ریسٹ ہاؤس پہنچنا ہے۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ... تو پھر چلو — دیکھا جائے گا۔"

وہ آگے بڑھتے چلے گئے — لیکن بوڑھا ادارہ رہ کر ان کے ذہنوں میں کھلبلی مچا رہا تھا۔ آخر ریسٹ ہاؤس کے نزدیک پہنچ گئے ... اب ریسٹ ہاؤس کا پچھلا حصہ ان کے سامنے تھا اور اس کے پچھلے حصے میں گھنے درخت تھے — اچانک انہوں نے گھنے درختوں میں ایک آدمی کو دیکھا — وہ ٹھٹک کر رک گئے — پھر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

○

عین اسی وقت اس آدمی نے بھی انہیں دیکھ لیا — یہ انسپکٹر جمشید تھے۔ انہوں نے اشارے سے انہیں اپنے پاس آنے کے لئے کہا ..... نزدیک پہنچنے پر محمود نے کہا۔

"ابا جان — آپ نے تو ہمیں ریسٹ ہاؤس کے اندر بلایا تھا۔ جب کہ آپ اس کے پچھلے حصے کے باہر موجود ہیں۔"

"ہاں۔ معاملہ بہت پراسرار ہے — خیر وقت بہت کم ہے ..... مختصراً

پر سنو ... مہمان صدر کو ریسٹ ہاؤس سے اغوا کر لیا گیا ہے ... وہ غسل خانے میں نہانے گئے تھے، باہر نہیں نکلے — میں نے یہاں پہنچتے ہی غسل خانے

کا جائزہ لیا اور ایک خفیہ بٹن دبا کر یہاں تک پہنچ گیا ہوں ..."

"اوہ — تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اس راستے سے لے جایا گیا ہے۔"

"ہاں — اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"اوہ ... تو کیا مہمان صدر بوڑھے آدمی ہیں۔" فاروق نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"وہ بوڑھے تو نہیں ... لیکن ادھیڑ عمر کے ضرور ہیں۔"

"اور ان کے چہرے پر داڑھی بھی ہے۔"

"نہیں — مگر تم یہ سوال کیوں کر رہے ہو — جلدی بتاؤ کیا بات ہے۔"

فاروق نے جلدی جلدی اس بوڑھے کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس کے چہرے پر تو داڑھی تھی۔"

"وہ نقلی بھی ہو سکتی ہے۔ انہوں نے صدر کو کوئی دوا سنگھا رکھی ہو گی ..... اوہ آؤ ... میرے ساتھ"

دوسرے ہی لمحے وہ اس سمت میں دوڑے جا رہے تھے جس طرف سے ابھی تینوں آئے تھے۔

لیکن بہت دور تک دوڑتے چلے جانے کے باوجود انہیں وہ نقلی (؟) آدمی اور بوڑھا دکھائی نہیں دیئے — آخر انسپکٹر جمشید رک گئے۔ انہوں نے کہا۔

"ختم کرو — جس وقت وہ تمہیں ملے ہوں گے، اس کے فوراً بعد انہوں نے غائب ہونے کی کوشش کی ہو گی — یا پھر انہیں کوئی ٹیکسی مل گئی ہو گی۔"

"اوہ! یہ بہت برا ہوا۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"پروا نہ کرو۔ آؤ۔ ریسٹ ہاؤس چلتے ہیں۔"

"اب وہاں جا کر کیا کریں گے۔"

"آئی جی صاحب اور ڈی آئی جی صاحب کو صورت حال بتانی ہے۔ غسل خانے کا دروازہ میں نے اندر سے بند کر دیا تھا... وہ لوگ یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ میں اندر ہوں۔"

اوہ۔ ان کے منہ سے نکلا۔

آخر تینوں ریسٹ ہاؤس کے دروازے پر پہنچے۔ دروازے پر کھڑے فوجیوں کی آنکھیں انسپکٹر جمشید کو دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ گئیں... ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو انسپکٹر جمشید ان کی آنکھوں کے سامنے اندر داخل ہوئے تھے اور اب وہ باہر سے آ رہے تھے۔ جب کہ ریسٹ ہاؤس کے اردگرد پہرہ تھا۔ ان کی حیرت زدہ آنکھوں میں خوف بھی سمٹ آیا... ایک کے منہ سے نکلا۔

"آ... آ... آپ۔"

"ہاں! اسی طرح مہمان صدر بھی ریسٹ ہاؤس سے باہر جا چکے ہیں۔ چاروں طرف پہرہ بڑھا دو۔ اور کوئی پرندہ بھی اندر پر نہ مار سکے، نہ کوئی اندر سے باہر نکل سکے۔"

"بہت بہتر جناب!" اس نے کہا۔

اور وہ اندر داخل ہوئے۔ آئی جی صاحب اور ڈی آئی جی صاحب برآمدے میں ٹہل رہے تھے۔ ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار طاری تھے۔ پھر جونہی ان

کی نظریں انسپکٹر جمشید پر پڑیں ان کی آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ انہوں نے جلدی جلدی انہیں ساری بات بتائی... بلکہ محمود، فاروق اور فرزانہ کو راستے میں جو آدمی ملے تھے، ان کے بارے میں بھی بتایا۔"

اُف خدا۔ تو کیا وہ صدر ہی تھے۔"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ واقعی کوئی ایکسیڈنٹ کا کیس ہو۔ اور وہ تینوں آدمی انہیں کسی پرائیویٹ ہسپتال تک لے جا رہے ہوں اور صدر صاحب اس خفیہ راستے سے پہلے ہی لے جائے جا چکے ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

"پھر اب کیا ہوگا۔ اب تم کیا کرو گے۔"

"آپ صرف اتنا کریں کہ ریسٹ ہاؤس کے اردگرد کافی دور تک پہرہ مقرر کر دیں... کوئی بھی ریسٹ ہاؤس میں آئے نہ اس سے باہر جائے۔"

"بہت اچھا۔ اس کا انتظام میں کر دیتا ہوں۔"

"اور اب تم تینوں میرے ساتھ آؤ۔"

وہ انہیں لے کر ایک بار پھر غسل خانے میں آ گئے۔ انہوں نے ایک بار پھر غور سے غسل خانے کو دیکھا... اس وقت انسپکٹر جمشید کو کچھ خیال آیا۔

"فاروق... محمود اور فرزانہ... کیا تم ان تینوں میں سے کسی کا حلیہ بتا سکتے ہو؟" انہوں نے پوچھا۔

"کن تینوں کا؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"وہی جو اس بڈھے کو لیے جا رہے ہیں۔"

تینوں سوچ میں ڈوب گئے۔ انہوں نے ان کے چہرے غور سے نہیں دیکھے تھے... ضرورت ہی نہیں محسوس کی تھی.. پھر بھی فاروق کو یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے کوئی بات رہ رہ کر اسے یاد آنے کی کوشش کر رہی ہے اس نے اپنی پیشانی کو مسلا اور بولا۔

"میرے ذہن میں کوئی چیز چبھ رہی ہے۔"

"تو اسے اپنے ذہن سے باہر نکالو۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

ان تینوں میں سے ایک کی پیشانی پر دائیں طرف کسی آپریشن کا نشان (×) تھا.. اور یہ نشان بہت واضح تھا۔"

"اوہ!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

انہوں نے اسی وقت کسی کو فون کیا۔ دوسری طرف سے فوراً جواب ملا۔

"ہیلو.. یہ ریکارڈ روم ہے۔"

"سنو کامران! میں جمشید بول رہا ہوں۔ پیشانی کے دائیں طرف ضرب کا نشان کس کی پیشانی پر ہے.... یہ بات میں فوراً جاننا چاہتا ہوں۔"

"آپ کس نمبر سے بات کر رہے ہیں؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

انہوں نے نمبر دیکھ کر اسے بتا دیے۔

"صرف پانچ منٹ بعد فون کروں گا۔" کامران نے کہا۔

وہ انتظار کرنے لگے۔ آخر پانچ منٹ بعد گھنٹی بجی۔ دوسری طرف سے کامران نے بتایا۔

"اس کا نام منور رشید ہے... کئی بار کا سزا یافتہ ہے... عام طور پر ہوٹل فردوس میں بیٹھتا ہے.... ان دنوں مشہور بدمعاش دادا خاور کے ساتھ بہت دیکھا جا رہا ہے۔"

"بس کافی ہے۔ بہت بہت شکریہ۔" انہوں نے کہا، ریسیور رکھا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تم تینوں ریسٹ ہاؤس میں رہ کر مزید چھان بین کرو گے۔ میں بہت جلد واپس آؤں گا۔"

"بہت بہتر۔" تینوں کے منہ سے نکلا۔

انسپکٹر جمشید تقریباً دوڑتے ہوئے باہر نکل گئے۔ ان کی موٹر سائیکل کا رخ ہوٹل فردوس کی طرف تھا۔ صرف آدھ گھنٹے بعد وہ ہوٹل کے دروازے میں داخل ہو رہے تھے۔ اندر داخل ہوتے ہی انہوں نے دیکھ لیا کہ ایک کرسی پر ضرب کے نشان والا منور رشید موجود ہے۔ ان کے قدم تیزی سے اس کی طرف اٹھنے لگے۔

★

ریسٹ ہاؤس کا چوکیدار

"اب ہم یہاں کیا کریں... آخر یہاں کرنے کا کیا کام ہو سکتا ہے۔" فاروق نے الجھ کر کہا۔

"ہمیں اس پر غور کرنا ہوگا... ابا جان ہمیں یہاں بلا وجہ تو چھوڑ کر نہیں گئے ہوں گے۔" فرزانہ نے کہا۔

"میرے ذہن میں ایک خیال ابھرا ہے... آخر ریسٹ ہاؤس کے غسل خانے میں وہ خفیہ دروازہ کس طرح بن گیا... حکام کو بھی پتا نہ چلا اور اتنا بڑا کام مکمل ہو گیا۔ اگر ہم اس لائن پر کام کریں تو کیا خیال ہے۔ کیا ہم مجرموں تک نہیں جا پہنچیں گے۔"

"بہت خوب۔ بہت شاندار۔ محمود تمہارا جواب نہیں۔" فرزانہ نے اچھل کر کہا۔ "میں حیران ہوں کہ ابا جان نے سب سے پہلے اس طرف توجہ کیوں نہیں دی۔"

ہو سکتا ہے یہ بات ان کے ذہن میں ہو، لیکن انہوں نے اس بارے میں بعد میں تحقیقات کرنے کا ارادہ کیا ہو یا پھر شاید وہ ہمیں اسی لیے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔"

"ہاں۔ یہ عین ممکن ہے... تو پھر ہم اس سلسلے میں کس سے معلوم کر سکتے ہیں۔" محمود بولا۔

"سب سے پہلے ہم ڈی آئی جی صاحب سے بات کرتے ہیں۔ شاید انہیں معلوم ہو۔" فاروق نے کہا۔

وہ پھر برآمدے میں آئے۔ آئی جی صاحب اور ڈی آئی جی صاحب انہیں دیکھ کر چونک اٹھے۔

"انکل! ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس ریسٹ ہاؤس کی مرمت آخری بار کب کرائی گئی تھی... ظاہر ہے کہ ریسٹ ہاؤس تو انگریز کے زمانے کا ہے لیکن جب بھی کوئی صدر یا وزیر باہر سے آتا ہوگا تو اس کی مرمت تو ضرور کرائی جاتی ہوگی۔"

"بالکل... اور جہاں تک میرا خیال ہے، چھ ماہ پہلے ہی اسے مرمت کرایا گیا تھا۔ مرمت کا باقاعدہ ٹھیکہ دیا گیا تھا... اس کے لیے سرکاری عمارات کے انچارج سے معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔"

"تو پھر ان سے فوراً رابطہ قائم کیا جائے۔ بلکہ انہیں اگر یہیں بلا لیں تو اچھا رہے گا۔"

"بہت اچھا۔ میں کوشش کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے فون پر اس سلسلے میں کسی سے بات کی اور ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑے۔

"انچارج کا نام ڈاکٹر خاور ہے... دارالحکومت کی سرکاری عمارت سب ان کے کنٹرول میں ہیں — وہ بہت جلد یہاں آجائیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ — اب ہم ذرا غسل خانے کا جائزہ لیں گے۔"

"ٹھیک ہے — جب وہ آئیں گے تو میں تمہیں بلوا لوں گا۔"

"شکریہ!" انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

تینوں وہاں سے غسل خانے میں پہنچے اور اس کا بغور جائزہ لینے لگے۔ انہوں نے ایک بار پھر سیاہ نشان کو دبا کر دیکھا — راستہ فوراً ہی نمودار ہو گیا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ اس اغوا کا پروگرام بہت پہلے ہی بنا لیا گیا تھا۔" محمود نے کہا۔

"ہاں! جہاں تک مجھے یاد ہے... آج سے آٹھ دس ماہ پہلے یہ اعلان ہوا تھا کہ دوست ملک کے صدر ہمارے ملک کے سرکاری دورے پر آئیں گے اس کے دو تین ماہ بعد ریسٹ ہاؤس مرمت کے لئے ٹھیکے پر دیا گیا ہو گا... اور اسی وقت کے دوران یہ خفیہ خانہ بنایا گیا۔"

وہ باتیں کرتے رہے اور غسل خانے کا جائزہ لیتے رہے، لیکن اور کوئی بات معلوم نہ ہو سکی — تھوڑی دیر بعد ایک سادہ لباس والے نے آکر انہیں بتایا کہ آئی جی صاحب بلا رہے ہیں۔

وہ ان کے پاس برآمدے میں پہنچے تو عینک والے ایک نوجوان آدمی نے ان سے ہاتھ ملایا اور بولا۔

"میرا نام ڈاکٹر خاور ہے... آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

"آخری مرتبہ یہ ریسٹ ہاؤس مرمت کے لئے کسے ٹھیکے پر دیا گیا تھا — اور کیا آپ نے اپنی موجودگی میں مرمت کرائی تھی؟"

"ٹھیکہ نظام دین اینڈ سنز فرم کو دیا گیا تھا — مرمت میری نگرانی میں نہیں ہوئی تھی... میں نے تو بس انہیں کام سمجھا دیا تھا اور مرمت ہونے پر آکر معائنہ کر لیا تھا۔"

"بہت خوب — گویا ٹھیکے کی بات نظام دین اینڈ سنز کے مالک سے ہوئی تھی اور اسی نے اپنے آدمی یہاں بھیجے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"بہت خوب — انکل... مجھے افسوس ہے... ڈاکٹر خاور صاحب کو اب اس وقت تک ریسٹ ہاؤس میں رکنا پڑے گا، جب تک کہ ہم اس کام کو مکمل نہیں کر لیتے — اور نظام دین اینڈ سنز کی عمارت کو گھیرے میں لے لیا جائے — بلکہ ان کے سب آدمی گرفتار کر لئے جائیں — یہ بعد میں فیصلہ ہوتا رہے گا کہ یہاں مرمت کے لئے آنے والے کون تھے۔"

"ٹھیک کہتے ہو — میں پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ گیا تھا۔" آئی جی صاحب بولے۔

"آخر بات کیا ہے؟" ڈاکٹر خاور نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بات بہت خاص ہے — آیئے آپ کو بتائیں" محمود نے کہا۔

تینوں اسے لے کر غسل خانے میں آئے اور خفیہ راستے کا بٹن دبا کر دکھایا — جونہی راستہ نمودار ہوا، ڈاکٹر خاور کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"تو... تو... کیا... مہمان صدر...."

وہ ہکلا کر رہ گیا — اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا — اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

"جی ہاں! انہیں اس راستے سے اغوا کیا گیا ہے۔"

"اف میرے خدا — اب کیا ہوگا۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"یہ تو وقت بتائے گا کہ اب کیا ہوگا — باقی غیر ملکی جاسوسوں نے تو کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔"

"کمال ہے — ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے — کس قدر منظم ہیں یہ لوگ۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں — آپ کسی کمرے میں آرام کریں — ہمیں افسوس ہے کہ آپ کو بھی اب یہیں رکنا پڑے گا۔"

"کوئی بات نہیں — ملک اور قوم کے لیے میں سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں — لیکن مجھے اپنے گھر فون کرنا پڑے گا۔"

"ضرور کیجئے — آیئے ہم آپ کو فون کے پاس لے چلتے ہیں۔"

وہ ڈاکٹر خاور کو ایک کمرے تک لے آئے — یہاں فون موجود تھا — ڈاکٹر خاور فون پر جھک گیا۔ محمود اس کے بالکل قریب کھڑا تھا — وہ اسے

نمبر ڈائل کرتے دیکھتا رہا — اس وقت سلسلہ مل گیا اور ڈاکٹر خاور نے کہا۔

"ہیلو... کون... ٹھیک ہے... میں خاور بول رہا ہوں — میں ایک جگہ بہت مصروف ہوں، میرا انتظار نہ کریں، میں شاید صبح تک نہ آسکوں۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے بعد وہ اسے ایک دوسرے کمرے میں چھوڑ آئے — اور خود پھر غسل خانے میں آگئے — تینوں گہری سوچ میں کھو گئے۔

"ہر لمحے مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم سے کوئی بڑی زبردست بھول ہو رہی ہے۔" فاروق نے فکر مند ہو کر کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے — مجھے یوں لگ رہا ہے... کہ جیسے ہم صدر صاحب کی تلاش میں بہت دور نکل گئے ہیں جب کہ ہمیں انہیں بہت نزدیک تلاش کرنا چاہیے تھا۔"

"جب تک ابا جان نہیں آجاتے، ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔"

"کر کیوں نہیں سکتے — ہمیں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو نہیں بیٹھ جانا چاہیے۔"

"ہوں — وہ مارا — آگئی بات ذہن میں۔" محمود اچھل پڑا۔

"کیا بات ذہن میں آگئی؟" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"ریسٹ ہاؤس کا چوکیدار — ہاں وہ کردار ہے... جسے ہم اب تک بھول رہے تھے اور بار بار جو ہمارے ذہن میں آنے کی کوشش کر رہی تھی... جب ریسٹ ہاؤس مرمت ہو رہا تھا... آخر اس وقت چوکیدار تو وہاں موجود تھا...."

"اوہ — جلدی آؤ — وہ ضرور اپنے کوارٹر میں ہی ہوگا۔"
انہیں نہیں معلوم تھا کہ چوکیدار کا کوارٹر کس طرف ہے — انہوں نے ایک سادہ لباس والے سے معلوم کیا اور تیزی سے اس طرف بڑھے۔ دروازے پر دستک دی تو ایک خوفناک مونچھوں والے آدمی نے دروازہ کھولا۔ اس کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں۔

"کیا بات ہے؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہم آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں راستہ دیں تاکہ اطمینان سے بیٹھ کر باتیں ہو سکیں۔"

"لیکن آپ لوگ ہیں کون؟"

"کیا آپ نہیں جانتے.... ریسٹ ہاؤس میں کیا حادثہ پیش آیا ہے؟"

"جانتا ہوں — پھر؟"

"ہم اسی سلسلے میں بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"آیئے —" اس نے راستہ چھوڑتے ہوئے کہا۔

اندر ایک چارپائی اور دو کرسیاں موجود تھیں۔ چارپائی پر وہ اور محمود بیٹھ گئے — فاروق اور فرزانہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ جب ریسٹ ہاؤس میں قتل ہوا تھا اس وقت آپ کہاں تھے؟"

"بھلا میں کہاں ہوتا — یہیں تھا۔" اس نے کہا۔

"ہم آپ کے منہ سے یہی سننا چاہتے تھے۔"

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

"کیا غسل خانے میں خفیہ راستہ تمہارے سامنے بنایا گیا تھا؟" محمود نے اچانک سوال کیا۔ ایک پل کے لیے چوکیدار بوکھلا اٹھا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے جیب میں ہاتھ ڈال دیا — اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتے، وہ پستول نکال کر ان پر تان چکا تھا۔

○

"میں جانتا ہوں تمہارا نام منور رشید ہے — اور تم بھی مجھے اچھی طرح جانتے ہو گے۔ میری پتلون کی جیب میں اس وقت پستول ہے اور اس کی نالی کا رخ تمہاری طرف ہے۔ تم کوئی حرکت نہیں کرو گے ورنہ ذمے دار خود ہو گے۔ اگر تم نے میرے چند سوالوں کے جواب ٹھیک ٹھیک دے دیے تو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا بصورت دیگر تم خود ذمے دار ہو گے۔" انسپکٹر جمشید نے اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟" اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے تمہارے ساتھ دو آدمی اور تھے اور تم ایک تیسرے آدمی کو سہارا دیے کہیں لے جا رہے تھے.... وہ بوڑھا کون تھا۔"

انسپکٹر جمشید کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت منور رشید نے بیٹھے بیٹھے ہی انسپکٹر جمشید پر چھلانگ لگا دی تھی۔ انسپکٹر جمشید کو اس کی قطعاً امید نہیں تھی، لہٰذا وہ کرسی سمیت دوسری طرف الٹ گئے۔ اس کے ساتھ ہی منور رشید

اٹھ کر ہوٹل کے دروازے کی طرف بھاگا۔

ہال میں بیٹھے لوگ گھبرا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ کیا ہوا ہے... فوراً ہی ایک فائر ہوا، منور رشید کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ دھڑام سے گر پڑا۔ کئی لوگوں کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ منور رشید نے پھر اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی مگر انسپکٹر جمشید اتنی دیر میں اس کے سر پر پہنچ چکے تھے انہوں نے اسے دائیں کلائی سے پکڑ لیا اور بولے۔

"تم نے اپنی موت کو خود آواز دی ہے — اب تم بچ کر نہیں جا سکو گے.... لوگوں کو تماشہ نہ دکھاؤ اور میرے ساتھ مینجر کے کمرے میں چلو۔"

اب اس میں دم مارنے کی جرأت نہیں رہی تھی۔ اس کی دائیں ٹانگ سرخ ہوتی جا رہی تھی۔ گولی کی آواز سن کر مینجر بھی باہر نکل آیا تھا اور انسپکٹر جمشید کو دیکھ کر اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ اسے دیکھ کر وہ بولے۔

"اس کی مرہم پٹی کا بندوبست کریں، نہیں تو یہ آپ کا کمرہ خراب کر دے گا۔"

"جی... بہت اچھا۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے مینجر کو کمرے سے باہر بھیج دیا تھا۔

"ہاں اب بتاؤ — وہ بوڑھا کون تھا؟"

"میں ساری بات سچ سچ بتا دیتا ہوں — لیکن آپ یقین نہیں کریں گے۔"

"تم بتاؤ۔ یقین کرنا نہ کرنا میرا کام ہے۔"

"جی اچھا۔ دادا خاور نے یہ کام میرے ذمے لگایا تھا..... اس نے بتایا تھا کہ ریسٹ ہاؤس کے عقب میں ٹھیک چھ بجے مجھے ایک بے ہوش بوڑھا ملے گا — اسے سہارا دے کر میرے گھر پہنچا دینا اور اس تھوڑے سے کام کے اس نے مجھے پانچ ہزار روپے دیئے تھے۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"تو وہ بوڑھا اس وقت دادا خاور کے گھر میں ہے؟"

"جی ہاں۔" اس نے جواب دیا۔

"اگر یہ غلط ہوا تو میں تمہاری کھال گرا دوں گا؟"

"اب اگر دادا خاور نے اسے کہیں اور بھیج دیا تو میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"خیر... میں دیکھ لوں گا۔ کیا تم جانتے ہو، وہ بوڑھا کون تھا؟"

"جی نہیں — میں نہیں جانتا۔"

"اچھی بات ہے — دادا خاور کے گھر کا پتا بتاؤ۔"

"فاضل آباد...... گلی نمبر تین ...... مکان نمبر دس —"

اس نے پتا بتایا۔

"شکریہ! اب تم یہیں آرام کرو۔ یہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ اپنے برے انجام کے تم خود ذمے دار ہو گے۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا اور انسپکٹر جمشید کمرے سے نکل گئے... لیکن جونہی وہ کمرے سے نکلے... منور رشید کمرے میں رکھے فون پر جھک کر کسی کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

جواب دیا۔

"لیکن ہماری تلاش اس سے پہلے ہی شروع ہو جائے گی" فاروق مسکرایا۔

"کوئی بات نہیں۔ میں تمہیں کسی حالت میں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا — چاہے کچھ ہو جائے۔" اس نے کہا۔

"تو پھر کرو فائر — لیکن پہلے ہمیں یہ بتا دو کہ مہمان صدر کہاں ہے؟"

"میرے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم —" اس نے شانوں کو جھٹکا دیا۔

"یہ کس کا کام ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"اگر تم کچھ بھی نہیں جانتے تو پھر تم نے پستول بلاوجہ نکال لیا تھا۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"شوقیہ نکالا ہوگا۔" فرزانہ مذاق اڑانے والے لہجے میں بولی۔

"تو پھر فائر کرنے کا شوق بھی پورا کر لو۔" محمود بولا۔

"کیا تم انسپکٹر جمشید کے بچے ہو؟" اس نے اچانک پوچھا۔

"ہاں! تمہارا خیال ٹھیک ہے۔" محمود مسکرایا۔

"تو پھر سن لو — انہیں اب صدر کبھی نہیں ملے گا۔"

"کیا مطلب —" وہ بری طرح چونکے — "کیا تم لوگوں نے انہیں ختم کر دیا ہے؟"

"یہی سمجھ لو — اور اب تمہاری باری ہے۔"

"اچھا!" فرزانہ نے اس طرح کہا جیسے کھیل کود کی باری کی اجازت دی۔"

مقابلہ

"بہت خوب! اس کا مطلب ہے ریسٹ ہاؤس کے غسل خانے میں جو کچھ ہوا ہے، تمہارے سامنے ہوا ہے اور تم بھی برابر کے مجرم ہو۔"

محمود نے ہنس کر کہا۔

"ریسٹ ہاؤس کا ہر کمرہ ساؤنڈ پروف ہے ...."

چوکیدار سانپ کی طرح پھنکارا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"یہ کمرہ بھی ساؤنڈ پروف ہے .... پستول کے فائروں کی آواز باہر نہیں جائے گی۔ اور میں تمہاری لاشوں کو باغ میں گڑھا کھود کر دفن کر دوں گا؟" اس نے سرد آواز میں کہا۔

"گڑھا کس وقت کھودو گے؟" محمود نے مسکرا کر پوچھا۔

"رات کے وقت — زمین بہت نرم ہے۔" اس نے

"یہ ہمیں بے وقوف بنا رہا ہے۔" اچانک محمود نے کہا۔

"کیا مطلب؟" فاروق اور فرزانہ چونکے۔

"یہ کمرہ ساؤنڈ پروف نہیں ہے۔ چوکیدار کا کمرہ ساؤنڈ پروف بنانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"یہ حکومت نے ساؤنڈ پروف نہیں بنوایا۔ جب مرمت ہو رہی تھی اور غسل خانے میں خفیہ راستہ بنایا جا رہا تھا، اس وقت اسے بھی ساؤنڈ پروف بنایا گیا تھا۔" اس نے بتایا۔

"اوہ!" وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔

"تم ان کے ساتھ کب سے ملازم ہو؟" محمود نے سوال کیا۔

"جب مرمت کا کام شروع ہوا تھا، اس وقت انہیں مجھے اپنے ساتھ شامل کرنا پڑا تھا کیونکہ مجھے ساتھ ملائے بغیر وہ یہ کام نہیں کر سکتے تھے۔" اس نے بتایا۔

"تو بابا! تمہیں انہوں نے کتنے میں خریدا تھا۔۔۔ ملک اور قوم کی عزت کے تم نے کتنے پیسے وصول کیے تھے؟" فرزانہ نے تڑپ کر پوچھا۔

"بیس ہزار روپے۔ اب اس میں ہزاروں سے شاندار کاروبار کروں گا۔"

"اب تک شروع کیوں نہیں کیا؟"

"ان کی شرط یہ تھی کہ جب تک صدر کا اغوا نہ ہو جائے، اس وقت تک میں یہیں رہوں۔" اس نے کہا۔

"ہم سمجھ گئے۔ انہوں نے تمہیں پھانسنے کے لیے یہاں چھوڑ دیا۔ تم قیمت

بولے۔" محمود نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"میرا بھی تمہارے بارے میں یہی خیال ہے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"ہم اگر مرے بھی تو ملک اور قوم کی حفاظت کرتے ہوئے مریں گے۔ اس موت کا ہمیں ذرہ بھر بھی افسوس نہیں ہوگا۔۔۔" فاروق نے جواب دیا۔

"تو پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

یہ کہہ کر اس نے ان کی طرف ایک فائر جھونک مارا۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا اور پھر تیسرا فائر ہوا۔

پہلے فائر پر محمود دھڑام سے گرا تھا اور جتنی دیر میں اس نے دو فائر اور کیے، وہ جیب سے چاکلیٹ نکال چکا تھا۔ دوسرے ہی لمحے چوکیدار کی ٹانگوں کے پاس ایک زبردست دھماکا ہوا اور وہ دوسری طرف الٹ گیا۔

○

انسپکٹر جمشید نے فاضل آباد کی تیسری گلی کے دس نمبر مکان کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ فوراً ہی کھلا۔ انہوں نے دیکھا، دادا خاور دروازے میں کھڑا تھا۔ چند لمحے تک دونوں ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔

"کیا خیال ہے۔۔۔ تم مجھے اندر داخل ہونے کی اجازت دو گے یا میں زبردستی اندر آ جاؤں۔" آخر انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"رات کے اس وقت کیا کوئی خاص کام ہے؟" اس کا لہجہ ناگوار تھا۔

"ہاں! بہت ضروری۔۔۔ ویسے میں تمہیں تھانے میں بھی بلوا سکتا تھا۔۔۔ لیکن

اتنا وقت نہیں تھا۔"

"خیر — آجایئے اندر... لیکن مجھے کوئی دھمکی نہ دیجئے گا — میں آج کل دھمکیاں سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"بہت اچھا — میں دھمکی دینے سے پرہیز کروں گا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے

وہ انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں آیا اور بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اب بتائیں کیا بات ہے۔"

"تمہارا پتا مجھے منور رشید نے دیا ہے — وہ بوڑھا کہاں ہے... جسے وہ لوگ یہاں چھوڑ گئے ہیں۔"

"اوہ — بس اتنی سی بات... مگر آپ کو اس بوڑھے کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے۔" اس نے کہا۔

"میں اسے ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"آیئے میرے ساتھ۔" اس نے کہا اور وہ محتاط انداز میں اس کے ساتھ چل پڑے — وہ انہیں لے کر ایک دوسرے کمرے میں آیا۔ یہاں ایک پلنگ پر کوئی سو رہا تھا۔ دادا خاور نے اشارے سے بتایا کہ بوڑھا چارپائی پر سو رہا ہے۔

انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر اس کے سر سے چادر الٹ دی — بوڑھا گہری نیند سو رہا تھا — انہوں نے اس کی ڈاڑھی کو ہلا جلا کر دیکھا... چہرے پر میک اپ کے کوئی آثار نظر نہیں آئے تو انسپکٹر جمشید مایوس ہو گئے۔

"وہ اس بوڑھے کو یہاں کیوں لائے تھے؟" انہوں نے پوچھا۔

"کسی نامعلوم آدمی نے مجھے یہ کام سونپا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ریسٹ ہاؤس کے عقب میں شام کے وقت چھ بجے ایک بوڑھا آدمی ملے گا... اگر تم اسے اپنے گھر لا کر دو تین دن تک... رکھ لو اور اس کی تیمارداری بھی کرو تو تمہیں دس ہزار روپے ملیں گے۔"

"بہت خوب تو یہ بات ہے — ویسے کیا تم مجھے اصل بات نہیں بتا سکتے۔"

"اصل بات میں بتا چکا ہوں۔" اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"خیر... دراصل میں اس بوڑھے کو دیکھنے آیا تھا..... اس بات کا تو مجھے یقین ہے کہ یہ مہمان صاحب نہیں ہے — اس لئے میں تم سے پھر کسی وقت بات کروں گا.... اور امید ہے کہ وہ تفصیلی بات ہو گی۔"

"لیکن میں نے کیا کیا ہے آخر آپ مجھے کیوں دھمکیاں دے رہے ہیں۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"یہ میں تمہیں پھر بتاؤں گا — اچھا اب میں چلتا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید اٹھ کر دروازے کی طرف چل پڑے — اچانک وہ چلتے چلتے گرے اور ساتھ ہی کھٹ کی آواز آئی.... دادا خاور کا پھینکا ہوا چاقو دروازے میں لگا تھا۔ انسپکٹر جمشید بروقت گرے تھے ورنہ چاقو ان کی گردن میں ترازو ہو چکا تھا — وہ ایک دم پلٹے...

"تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا... پھر یہ چاقو پھینک مارنے کی کوشش کس لئے کی ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"تم آج میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکو گے۔" یہ کہتے ہوئے اس

نے ان پر چھلانگ لگا دی ۔ لیکن وہ دروازے میں سے ہوتا ہوا باہر برآمدے میں گرا۔

"مجھے افسوس ہے، تمہارا دوسرا حملہ بھی بے کار گیا۔" انسپکٹر جمشید تالی بجاتے ہوئے بولے۔ داراخاور جھلا کر اٹھا اور انھا دھند حملہ کیا۔ اس بار اس نے سر کی ٹکر ان کی ناک پر مارنے کی کوشش کی تھی۔

"مجھے یہ بھی افسوس ہے... تمہارا نشانہ اچھا نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے۔

"یہ بات لکھ لو... تمہاری قبر اس گھر میں بنے گی۔" اس نے غرا کر کہا۔

"آؤ آؤ... ابھی دیکھ لیتے ہیں۔" وہ بچوں کی طرح خوش ہو کر بولے۔ "ویسے میرے پاس اس وقت لکھنے کے لیے کوئی نوٹ بک اور قلم بھی نہیں، ورنہ میں لکھ ہی لیتا...۔"

وہ پھر باز کی طرح ان پر جھپٹا اور اس مرتبہ اس کا سر دیوار سے ٹکرا گیا۔ منہ سے نکلنے والی چیخ بہت بھیانک تھی ۔۔ وہ پھر نہ اٹھ سکا۔

"لو اب میں جا رہا ہوں۔ میں نے تمہیں اپنے دل کی حسرت پوری کرنے کا پورا پورا موقع دیا ہے...۔"

یہ کہتے ہوئے وہ باہر نکل آئے ۔ مقصد ابھی تک حل نہیں ہوا تھا۔ جہاں صدر کا سراغ ملنے میں ہی نہیں آرہا تھا... آخر انہوں نے ایک بار پھر ریسٹ ہاؤس جانے کا فیصلہ کیا۔ دوسرے ہی منٹ وہ موٹر سائیکل پر ہوا کی مانند اڑے جا رہے تھے۔

وہ ریسٹ ہاؤس میں داخل ہوئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں خود

ان کے ملک کے صدر اور وزراء آگے بیٹھے تھے۔ ان سب کا مارے فکر اور پریشانی کے برا حال تھا... سب کی نظریں ان پر جم گئیں۔

"کہو جمشید ۔۔ کیا رہا۔"

"آپ مطمئن رہیں۔ میں بہت جلد مہمان کو برآمد کر لوں گا... دراصل یہ منصوبہ کئی ماہ سے بن رہا تھا... بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشکلات پیش آرہی ہیں۔ جو لوگ سرکاری ریسٹ ہاؤس میں اپنی مرضی سے خفیہ راستے بنوا سکتے ہیں... ان کے ہاتھ ظاہر ہے بہت دور تک پھیلے ہوئے ہوں گے۔ ایک سراغ ملا تھا...

... ابھی ابھی اس کے سلسلے میں باہر سے آرہا ہوں ۔۔ بس آپ لوگ ریسٹ ہاؤس کے گرد پہرہ بہت کڑا رکھیں... کیونکہ اس سازش کا مرکز ریسٹ ہاؤس ہے... جو کچھ ہوا ہے، یہیں ہوا ہے۔ اور ہاں... محمود، فاروق اور فرزانہ کہاں ہیں؟"

"تھوڑی دیر پہلے غسل خانے میں تھے... انہیں گئے تو کافی دیر ہو گئی ہے۔" آئی جی صاحب نے چونک کر کہا... انہیں بھی اچانک ہی خیال آیا تھا۔

"اوہ! میں انہیں دیکھتا ہوں۔ شاید انہیں کوئی سراغ ملا ہو۔"

"تمہارے جانے کے بعد انہوں نے کچھ کام کیا تو ہے۔ مثلاً ڈاکٹر خاور کو یہاں بلوایا تھا۔" آئی جی صاحب نے بتایا۔

"یہ کون صاحب ہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"سرکاری عمارات ان کے چارج میں ہیں... مرمت وغیرہ بھی وہی کراتے ہیں۔ پچھلی مرتبہ مرمت کا ٹھیکہ انہوں نے ہی دیا تھا۔"

"اوہ — ان سے تو میں بھی ملنا پسند کروں گا۔"

یہ کہہ کر وہ غسل خانے کی طرف آئے... لیکن غسل خانہ تو خالی پڑا تھا۔ انہوں نے اندر رفتیں ایک سادہ لباس والے سے ان تینوں کے بارے میں معلوم کیا تو اس نے بتایا کہ تھوڑی دیر پہلے چوکیدار کے کمرے کی طرف گئے تھے وہ تیزی سے اس طرف بڑھے۔

کوارٹر کا دروازہ بند تھا۔ انہوں نے دروازے پر کان لگا کر اندر کی آواز سننے کی کوشش کی، لیکن ان کے کانوں میں کوئی آواز نہ آئی۔ یہ دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی... کیونکہ ان کے خیال میں چوکیدار کا کمرہ ساؤنڈ پروف نہیں ہو سکتا تھا اور اگر محمود، فاروق اور فرزانہ اندر تھے تو کمرے میں خاموشی نہیں ہو سکتی تھی — آخر انہوں نے دروازے پر دستک دینے کے لئے ہاتھ اٹھایا۔

اس کے ساتھ ہی اندر ایک زبردست دھماکا ہوا۔ دھماکے کی آواز تو باہر نہ آسکی، لیکن دھمک کی وجہ سے انہیں یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اندر دھماکا ہوا ہے۔

انہوں نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

سُراغ ملتا ہے

چوکیدار کے گرنے کے ساتھ ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ فرزانہ نے جھک کر کہا۔

"واہ، ابا جان بہت اچھے وقت پر آئے۔"

یہ کہہ کر اس نے دروازہ کھول دیا۔ انسپکٹر جمشید اندر کا منظر دیکھ کر بھونچکا رہ گئے۔ محمود اور فاروق چوکیدار کو دبوچے ہوئے تھے — وہ ان کے نیچے فرش پر گرا ہوا تھا اور ان کے ہاتھوں سے نکلنے کے لئے زور لگا رہا تھا۔

"یہ تم لوگ کیا کر رہے ہو؟"

"ابا جان — یہ ریسٹ ہاؤس کا چوکیدار ہے — اس نے ابھی ابھی ہم پر پستول تان دیا تھا — وہ دیکھیے — وہ رہا پستول۔" محمود نے بتایا اور انسپکٹر جمشید دھک سے رہ گئے۔

"ٹھیک ہے — پستول اسی جگہ پڑا رہنے دو — فرزانہ تم جا کر آئی جی

صاحب کو یہیں بلا لاؤ۔ اگر دوسرے آفیسر بھی آنا پسند کریں تو انہیں بھی لے آنا۔"

"جی بہت اچھا۔"

فرزانہ نے کہا اور دوڑتی ہوئی چلی گئی۔ محمود اور فاروق اب تک اسے جکڑے بیٹھے تھے۔

"تمہیں کوئی دقت تو نہیں پیش آ رہی۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی نہیں تو — ہم تو بہت آرام سے ہیں۔" فاروق نے چہک کر کہا۔

"اس نے تم پر کس بات پر پستول نکال لیا تھا؟"

"میں نے اس سے صرف یہ سوال کیا تھا کہ غسل خانے میں خفیہ راستہ تمہاری موجودگی میں بنایا گیا تھا... بس اس نے پستول نکال لیا۔ اب یہ سوال کرنا اتنا بڑا جرم تو نہیں تھا۔"

"بہت خوب — دراصل ان لوگوں کا خیال یہ تھا کہ ہم خفیہ راستہ تلاش نہیں کر سکیں گے۔ اب جب کہ ہم وہ تلاش کر چکے ہیں، اس لیے چوکیدار پر تو سب سے پہلے شک کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے پستول نکال لیا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

اسی وقت قدموں کی آواز ان کے کانوں میں آئی اور کئی آفیسر اندر داخل ہوئے۔ ان میں صدر صاحب اور وزراء بھی تھے۔ اندر کا منظر ان کے لیے بھی حیران کن تھا۔

"یہ کیا ماجرا ہے؟"

"محمود — فاروق چھوڑ دو اسے پستول کی طرف ہرگز نہ جانے دینا۔"

اس کے بعد انسپکٹر جمشید نے ساری کہانی سنائی اور وہ دنگ رہ گئے۔

اسی وقت آئی جی صاحب نے چوکیدار اور اس کے عملے کو گرفتار کر کے ریسٹ ہاؤس میں لانے کا حکم دیا گیا — چوکیدار کو بھی جکڑ دیا گیا — اب وہ سب ہال میں آ گئے اور چوکیدار کا انتظار کرنے لگے۔ معاملہ لمحہ بہ لمحہ پراسرار ہوتا جا رہا تھا... اور مہمان صدر کا ابھی تک دور دور تک پتا نہ تھا... ہال میں بیٹھنے کے بعد انسپکٹر جمشید نے ان لوگوں کو منور رشید، اس کے دو ساتھیوں اور بوڑھے کے بارے میں بھی بتایا۔ پھر دادا خاور سے بھینٹ کا ذکر بھی کیا اور آخر میں بولے۔

"ان سب واقعات کے سامنے آ جانے کے باوجود میں ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا ہوں — واقعات کی کڑیاں آپس میں ملتی نظر ہی نہیں آتیں۔ اگر مہمان کو اسی خفیہ راستے سے لے جایا گیا ہے تو وہ بوڑھا کہاں سے ٹپک پڑا — اور مہمان کہاں گئے.... اور اگر انہیں اس راستے سے نہیں لے جایا گیا تو پھر غسل خانے میں سے وہ کس طرح غائب ہو گئے۔ یہ سب سوالات چکرا دینے والے ہیں... اس وقت تک ہمارے عوام اور دوست ملک کے لوگوں کو یہی معلوم ہے کہ صدر کی حالت اچانک خراب ہو گئی ہے... لیکن اگر ہم انہیں تلاش نہ کر سکے تو کیا ہوگا۔"

"تو... کیا... جمشید... تم مایوس ہو چکے ہو؟" نائب صدر نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جی نہیں جناب عالی — لیکن حالات حد درجہ عجیب ہیں... ہو سکتا ہے، مجھے ان کی تلاش میں دیر لگ جائے۔"

"اوہ — لیکن ان کا کل شام سے پہلے پہلے ملنا بہت ضروری ہے.... مہمان کے ساتھ جو وفد [illegible] اور [illegible]ت آئے ہوئے ہیں، ہم نے انہیں یہ یقین دلایا ہے کہ ہم چوبیس گھنٹے سے پہلے انہیں تلاش کر لیں گے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ بھی اس راز کو راز رکھ رہے ہیں۔"

"میں سر توڑ کوشش جاری رکھوں گا — اسی لئے ٹھیکیدار کو بلوایا ہے۔ اس سے پوچھ گچھ کرنا بھی ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے — تم جو جی میں آئے کرو — لیکن صاحب صدر کو کہیں سے ڈھونڈ کر لا دو — یہ ہم سب کی عزت کا معاملہ ہے، ملک کے وقار کا معاملہ ہے۔"

"جی — میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔"

اسی وقت ملٹری کے جوان ٹھیکیدار اور اس کے تین ساتھیوں کو پکڑ کر لے آئے۔ انہیں سب کے درمیان میں کھڑا کیا گیا۔

"بتاؤ... تم نے غسل خانے میں خفیہ راستہ کس کے کہنے پر بنایا تھا؟" انہوں نے گرج کر پوچھا۔

"مم... میں اسے نہیں جانتا۔" وہ سہم گیا۔

"تمہیں یہ ٹھیکہ کس نے دیا تھا؟"

"ڈاکٹر خاور صاحب کے ذریعے ملا تھا..."

"تو کیا انہوں نے خفیہ راستہ بنانے کے لئے کہا تھا؟" انسپکٹر جمشید

نے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں — مجھے ایک خط ملا تھا... کہ اگر میں غسل خانے میں خفیہ راستہ بنا دوں تو بیس ہزار روپے اور ملیں گے... میں لالچ میں آ گیا اور یہ کام کر گزرا۔" اس نے بتایا۔

"اور تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ ایک خط پر کیا اعتبار کرتا... ظاہر ہے کہ راستہ بنانے کے بعد تمہیں پیسے نہیں ملے ہوں گے۔"

"جی نہیں... خط میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ جب میں راستہ بنانا شروع کر دوں گا تو میرے بنک کے حساب میں بیس ہزار روپے جمع کرا دیئے جائیں گے۔" اس نے بتایا۔

"تو کیا ایسا کیا گیا؟"

"جی ہاں۔"

"اور تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ اس غسل خانے میں خفیہ دروازے کی کیا ضرورت ہے... اس سے ملک اور قوم کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"میں لالچ میں اندھا ہو گیا تھا۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے — اب اس لالچ کی سزا بھگتو — لے جاؤ اسے...... مگر نہیں ٹھہرو — جب تم غسل خانہ بنا رہے تھے... تو کیا کوئی دیکھنے کے لئے آیا تھا۔"

"جی نہیں، پورے وقت کوئی نہیں آیا — اس پر میں بھی حیران ہوا تھا، اس شخص کو کس طرح معلوم ہو گیا کہ غسل خانے میں خفیہ راستہ بنانے

یا نہیں۔"

"ہوں — کوئی اور بات جو تم جانتے ہو؟"

"جی نہیں۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے... انہیں فی الحال ریسٹ ہاؤس کے ایک کمرے میں بند کر دو تا کہ پھر ان سے کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش آئے اور ہاں... ڈاکٹر خاور کو ذرا بلا لائیں۔"

ایک منٹ بعد ہی ڈاکٹر خاور وہاں پہنچ گیا۔

"تشریف رکھئے ڈاکٹر صاحب — اور یہ بتایئے کہ جب ریسٹ ہاؤس کی مرمت ہو رہی تھی تو کیا آپ چیک کرنے کے لئے نہیں آتے تھے کہ کام ٹھیک ہو رہا ہے یا نہیں۔"

"جی نہیں — میں عام طور پر کام مکمل ہونے کے بعد چیک کیا کرتا ہوں یوں بھی ریسٹ ہاؤس میں کوئی ایسا خاص کام نہیں تھا... رنگ روغن ہونا تھا... اس کی بعد میں آسانی سے چیکنگ کی جا سکتی تھی۔" اس نے جواب دیا۔

"بالکل ٹھیک! تو کیا کام ختم ہونے کے بعد آپ چیک کرنے آئے تھے؟"

"جی ہاں۔"

"اور آپ نے کوئی عجیب بات محسوس نہیں کی تھی؟"

"عجیب بات... میں سمجھا نہیں۔"

"یعنی آپ کو ریسٹ ہاؤس میں کسی تبدیلی کے کوئی آثار تو نظر نہیں آئے؟"

"بس رنگ روغن ہونے کے بعد ریسٹ ہاؤس خوب چمک دمک رہا تھا۔"

"بہت خوب اس کا مطلب ہے، کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی تھی؟"

"جی نہیں۔" "بہت بہت شکریہ — آپ آرام کریں، ہمیں افسوس ہے... آپ کو یہیں ٹھہرنا پڑ رہا ہے... دراصل ہم صدر کے اغوا کی خبر اڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

"کوئی بات نہیں۔" ڈاکٹر خاور یہ کہہ کر چلا گیا۔

انسپکٹر جمشید کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے — انہیں اس کے جانے کا پتہ بھی نہ چلا۔ پھر وہ چونکے اور اٹھتے ہوئے بولے...

"محمود... فاروق... فرزانہ — تم میرے ساتھ آؤ۔"

وہ انہیں لے کر ایک کمرے میں آئے اور بولے۔

"میرے جانے کے بعد تم نے جو کچھ کیا... اسے پوری تفصیل سے دہراؤ... دیکھو... کوئی معمولی سے معمولی بات بھی نہ رہ جائے... وقت بہت نازک ہے...... لیکن ایسا نہ ہو، مہمان صدر کو کہیں دور پہنچا دیا جائے.... تم میں سے ایک بتائے گا اور باقی دو یہ غور کریں گے کہ بتانے والا کچھ چھوڑ تو نہیں گیا۔"

"جی اچھا۔" محمود نے کہا اور تفصیل سے ایک ایک بات بتانے لگا۔ اچانک نہ جانے کیا ہوا۔ انسپکٹر جمشید اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ وہ سیدھے غسل خانے کی طرف جا رہے تھے۔ تینوں حیران رہ گئے۔ اور پھر ان کے پیچھے چل پڑے۔

○

وہ غسل خانے کی دیواروں کو پاگلوں کی طرح دیکھ رہے تھے۔ ان پر جوش کی ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔۔۔ پھر وہ دوڑتے ہوئے باہر نکلے اور ریسٹ ہاؤس کی چھت پر چڑھ گئے۔۔۔ تینوں بھی ان کے پیچھے تھے، اور حد درجے حیران تھے۔۔۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا دیکھتے پھر رہے ہیں۔ انسپکٹر جمشید غسل خانے کے عین اوپر چھت پر پہنچ کر رک گئے۔۔۔ وہ ایک ایک انچ کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔۔۔ پھر ان کے منہ سے سیٹی کی ایک آواز نکلی۔ اور وہ دوڑتے ہوئے نیچے اترے۔ اب وہ بیرونی دروازے کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ جاتے جاتے انہوں نے کہا

"تم تینوں یہیں ٹھہرو — میں ابھی واپس آتا ہوں۔"

وہ رک گئے۔ ان کی حیرت میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز سن کر آئی جی صاحب ان کی طرف آئے۔

"کیا ہوا — جمشید کہاں گیا؟"

"جی۔۔۔ معلوم نہیں۔۔۔ شاید انہیں کوئی بہت خاص بات معلوم ہوئی ہے۔۔۔ پہلے وہ غسل خانے میں گئے تھے۔۔۔ دیواروں کو گھور گھور کر دیکھتے رہے۔ پھر غسل خانے کے اوپر چھت پر گئے۔۔۔ وہاں کا جائزہ لیتے رہے اور وہ اب ریسٹ ہاؤس سے کہیں باہر گئے ہیں۔" محمود نے بتایا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ اُسے کوئی خاص بات معلوم ہو گئی ہے؟"

"جی ہاں۔"

"تو پھر آؤ — ہم بھی غسل خانے کی دیواروں کو دیکھتے ہیں اور پھر چھت پر چلیں گے۔" آئی جی بولے۔

وہ پہلے غسلخانے میں گئے، لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ پھر چھت پر گئے اور کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ آخر مایوس ہو کر نیچے اتر گئے۔۔۔

"اب ہم ان کا انتظار کریں گے۔"

وہ سب ایک جگہ بیٹھے ایک گھنٹے تک انسپکٹر جمشید کا انتظار کرتے رہے۔ باورچی بار بار چائے اور کافی لاتا رہا — آخر قدموں کی آواز سنائی دی — انہوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا — انسپکٹر جمشید چلے آرہے تھے۔۔۔ ان کے چہرے پر جوش کی کیفیت طاری تھی۔

★

خاور دادا

"کہو جمشید۔ کیا رہا؟" نائب صدر نے بے تابی کے عالم میں اٹھتے ہوئے کہا۔ ان کے ساتھ دوسرے بھی اٹھ گئے۔

"مجھے امید ہے، ہم کامیابی سے بہت نزدیک ہیں۔"

"اوہ! تو کیا تمہیں یہ معلوم ہو گیا ہے کہ صاحب صدر کہاں ہیں؟"

"میں اندازہ لگا چکا ہوں۔ لیکن ہو سکتا ہے، میرا اندازہ غلط ہو۔۔ پھر بھی۔۔۔ اب وہ زیادہ دیر ہماری نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکیں گے، کیونکہ میں واقعات کی کڑیاں ملانے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔"

"تو پھر۔۔۔ اب کیا دیر ہے؟" آئی جی صاحب کے لہجے سے بے چینی ظاہر تھی۔

"دو آدمی اور بلوانے ہوں گے۔۔۔ ان کے نام منور رشید اور داد اشاہ ہیں۔۔۔ ساتھ ہی اس بوڑھے کو بھی گرفتار کر کے یہاں لانا ہے جو اس وقت

دادا خاور کے گھر میں بیمار بنا پڑا ہے۔۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔۔ تم ان کی گرفتاری کے لئے سادہ لباس والوں کو ہدایات دے دو۔۔۔ وہ ان لوگوں کو یہاں لے آئیں گے۔"

"جی بہت بہتر۔" انہوں نے کہا اور سادہ لباس والوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

سادہ لباس والوں کے جانے کے بعد وہ سب بیٹھ گئے۔

"کیا اب تم ہمیں بتاؤ گے کہ یہ سب چکر کیا ہے؟"

"بتانے کو تو بہت کچھ بتا سکتا ہوں۔۔ لیکن جب تک سب لوگ یہاں موجود نہ ہوں۔۔۔۔ اس وقت تک لطف نہیں آئے گا۔ میں چاہتا ہوں، سب لوگ یہاں پہنچ جائیں۔۔۔ پھر میں صاحب صدر کو بھی پیش کر دوں گا اور مجرم کو بھی پیش کر دوں گا۔ لیکن ابھی تو بہت کام باقی ہے۔۔۔ یہ مرحلہ اتنی آسانی سے طے نہیں ہو گا۔" انہوں نے کہا۔

"کیا تم جانتے ہو۔۔۔ مجرم کون ہے؟"

"کم از کم اندازہ ضرور لگا چکا ہوں۔۔۔ اس سلسلے میں محمود، فاروق اور فرزانہ میرے کام آئے ہیں۔"

"جی۔۔ کیا مطلب؟" فرزانہ نے حیران ہو کر۔

"ہاں۔ میں تمہاری مدد سے ہی مجرم تک پہنچا ہوں۔"

"لیکن ہمارے تو فرشتوں کو بھی معلوم نہیں کہ مجرم کون ہے۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں ۔۔ بے شک تم نہیں جانتے ۔ لیکن جب میں نے تم سے کہا تھا کہ پورے حالات تفصیل سے مجھے سناؤ ... اور تم نے سنائے ... تو اس وقت بس اس وقت ایک ایسی بات میرے سامنے آئی کہ میرے ذہن میں کڑیاں ملتی چلی گئیں۔"

"کاش ہم بھی ان کڑیوں کو ملا سکتے۔" فاروق نے سرد آہ بھری اور کچھ لوگ مسکرانے لگے۔

"بھئی! ہم تو کچھ بھی نہیں سمجھے۔" ڈی آئی جی نے بے چارگی سے کہا۔

"فکر نہ کریں۔ ابھی معلوم ہو جائے گا... بس آپ اتنا دھیان رہے کہ ریسٹ ہاؤس سے کوئی فرار نہ ہونے پائے ۔۔ پہرے داروں کو پوری طرح ہوشیار رہنے کی تاکید کر دیں۔"

"اچھی بات ہے ۔" انہوں نے کہا اور وائرلیس پر پہرے پر موجود لوگوں کو ہدایات دینے لگے۔ پھر انسپکٹر جمشید کی طرف مڑے۔

"غسل خانے کا خفیہ راستہ جو درختوں کے جھنڈ میں نکلتا ہے، اس پر بھی پہرے کی ضرورت ہے؟"

"سب سے زیادہ ضرورت تو وہیں ہے۔"

"بہت خوب ۔۔" انہوں نے کہا اور پھر ہدایات دینے لگے۔

اچانک پاس ہی رکھے فون کی گھنٹی بجی۔ ایک آفیسر نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا، اور پھر انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھا دیا۔

"ہیلو... میں سارجنٹ فریدہ بول رہا ہوں جناب ۔۔ منور رشید اپنے

گھر میں مردہ ملا ہے ... اور داداخاور کے گھر میں وہ بوڑھا آدمی بھی ختم ہو چکا ہے۔ ان دونوں کو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہے۔"

"اور داداخاور ۔۔؟" انسپکٹر جمشید نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

"اس کا دور دور تک پتہ نہیں ہے۔"

"بہت خوب! تم اسے ہوٹل کامران میں جا کر تلاش کرو، اگر نہ ملے تو ہوٹل تھری سٹار کا کمرہ نمبر ایک سو ایک تھرڈ دیکھ لینا اور اس کے بعد مجھے فون کرنا ۔۔ کیونکہ اس کے بعد وہ صرف ایک ہی جگہ مل سکے گا اور وہاں تم نہیں پہنچ سکو گے، میں خود جاؤں گا۔"

"جی بہتر!"

"کیا ہوا ۔۔ کیا ان لوگوں میں سے کوئی فرار ہو گیا؟" آئی جی صاحب نے پریشان ہو کر کہا۔

"منور رشید اور وہ بوڑھا قتل کر دیے گئے ہیں، انہیں گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے ۔۔ داداخاور غائب ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ اس نے ان دونوں کو ختم کیا ہے اور خود غائب ہو گیا ہے۔"

"اوہ!" ان سب کے منہ سے نکلا۔

وہ دھک سے رہ گئے ... ان میں سے کسی نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ ٹھیک آدھ گھنٹے بعد فون کی گھنٹی پھر بجی۔ انسپکٹر جمشید نے فوراً ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سارجنٹ فریدہ ہی تھا۔

"وہ ان دونوں جگہوں پر بھی نہیں ملا۔"

"اوہ ۔۔ اس کا مطلب ہے ۔۔ اب مجھے ہی جانا ہو گا۔" انہوں نے کہا

"ہمارے لئے کیا حکم ہے؟"

"تم لوگ عالم گیر سرائے کے باہر پہنچو اور جب تک میری طرف سے کوئی اشارہ نہ ملے، اس وقت تک سرائے میں داخل نہ ہونا۔"

"بہت بہتر!" اس نے کہا اور انسپکٹر جمشید ریسیور رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"دادا خاور کو گرفتار کرنا بہت ضروری ہے۔ اصل مجرم نے اس وقت تک جتنا کام بھی لیا ہے، دادا خاور کے ذریعے ہی لیا ہے اور وہ بہت کچھ جانتا ہے۔"

"تو پھر تم اس کی تلاش میں اکیلے نہ جاؤ۔ ملٹری کے کچھ جوان ساتھ لے جاؤ۔"

"جی نہیں — اس طرح وہ ہوشیار ہو جائے گا — سرائے میں سے نکل جانا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہو گا — اور اگر میں اکیلا گیا تو وہ بھاگنے کی بجائے مجھ سے مقابلہ کرنا پسند کرے گا۔"

"تو ہم کیوں نہ ساتھ چلیں —" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"فکر نہ کرو — میں بہت جلد اسے پکڑ کر یہاں لے آؤں گا۔"

"لیکن وہاں اس کے بہت سے ساتھی ہوں گے۔ آپ کا تنہا جانا کسی طرح مناسب نہیں۔"

"اچھا... تو پھر تم تینوں بھی میرے ساتھ چلو۔"

یہ سن کر وہ کھل اٹھے اور اٹھ کر چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔

گُڈیا کی زد میں

عالم گیر سرائے کے دروازے پر پہنچ کر انہوں نے دستک دی۔ انسپکٹر جمشید جانتے تھے کہ اس وقت تک ان کے آدمی سرائے کو گھیر چکے ہوں گے، لیکن یہ گھیر ایسا تھا کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے پر بھی نظر نہیں آ سکتا تھا... چند سیکنڈ گزر گئے مگر کوئی بھی دروازہ کھولنے نہ آیا۔ آخر انسپکٹر جمشید نے پہلے کی نسبت ذرا زور سے دروازہ کھٹکھٹایا.... آخر قدموں کی چاپ سنائی دی — دروازہ تھوڑا سا کھلا۔

"کون ہے؟" آواز بھاری بھی تھی اور بھدی بھی۔

"پولیس — دروازہ پورا کھول دو، ورنہ توڑ دیا جائے گا۔" انہوں نے گرج کر کہا۔

ایک دم دروازہ پورا کھل گیا... ایک بوڑھا سا آدمی آنکھیں جھپکا جھپکا کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے اس پر اچٹتی سی نظریں ڈالیں اور پھر انسپکٹر

انہوں نے اندر قدم رکھتے ہوئے کہا۔

"خاور دادا کہاں ہے — ہمیں اس سے ملنا ہے۔"

"خاور دادا — یہاں کہاں .... اور آپ کون ہیں۔ آپ نے تو کہا تھا پولیس ..... مگر آپ کے ساتھ تو کوئی پولیس والا نہیں ہے" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا .... میری بات کا جواب دو۔"

"خاور دادا ہے کون .... ہم نہیں جانتے .... ہو سکتا ہے ... اس نام کا کوئی آدمی سرائے میں ٹھہرا ہوا ہو۔ اگر آپ کہیں تو میں رجسٹر دیکھ کر بتا سکتا ہوں۔"

"رہنے دو بڑے میاں — سنو۔ میں بتاتا ہوں — تمہارا نام رحمان بابا ہے اور تم خاور داد کے ملازم ہو۔ بظاہر تم اس سرائے کے مالک تم ہو، لیکن اصل مالک خاور دادا ہے .... جب اسے باقی ٹھکانوں پر خطرہ محسوس ہوتا ہے تو وہ یہاں آکر چھپ جاتا ہے .... یہ بات یا تم جانتے ہو۔ یا خاور جانتا ہے اور یا پھر میں۔ کیونکہ میرا نام انسپکٹر جمشید ہے اور انسپکٹر جمشید اس شہر کے تمام جرائم پیشہ لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اب کہو — کیا کہتے ہو۔"

"تو آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔ پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔ آئیے میرے ساتھ — خاور دادا اندر ہے۔" بوڑھے نے اس طرح خوش ہو کر کہا جیسے کوئی انعام ملنے کی امید ہے۔

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات — آؤ بھئی — چلتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

اور وہ تینوں چونک اٹھے۔ ان کا انداز وہ اچھی طرح جانتے تھے۔

آؤ بھئی چلتے ہیں کہنے کا انداز پکار پکار کر ان سے یہ کہہ رہا تھا کہ خطرہ ہے۔ چنانچہ ان تینوں کے ہاتھ جیبوں میں رینگ گئے۔

بوڑھا انہیں لے کر ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہوا۔ اندر انہیں کوئی نظر نہیں آیا، لیکن جب وہ کمرے کے درمیان میں پہنچ کر مڑے تو انہوں نے دیکھا، دروازے کی دیوار کے ساتھ خاور دادا لگا کھڑا تھا اور اور دروازے کے دوسری جانب ایک اور بدمعاش اکڑا کھڑا تھا۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے — اور چہروں پر سفاک مسکراہٹیں۔

"تم آ گئے — میں جانتا تھا کہ ضرور آؤ گے — اسی لئے میں پہلے ہی تمہارے استقبال کے لئے تیار تھا۔"

"کسی خوش فہمی میں نہ رہنا — تمہاری سرائے اس وقت پولیس اور فوج کے گھیرے میں ہے۔"

"یہ بالکل غلط ہے۔ میں جانتا ہوں، تم تنہا آنے کے عادی ہو۔ اپنے ساتھ بھیڑ بھاڑ لے کر نہیں چلتے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ سرائے میں تمہارے بہت سے آدمی جرائم پیشہ ہیں ... اس لئے پولیس کو سرائے کے گرد پھیلانا ضروری تھا، چنانچہ میرے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی سرائے کو گھیرا جا چکا ہے۔ اور تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ میرے ساتھ چلو۔ اگر تم نے سب کچھ ٹھیک ٹھیک بتا دیا تو میں کوشش کروں گا کہ تمہیں کم سے کم سزا ملے۔" انسپکٹر جمشید نے اسے سمجھانے والے لہجے میں کہا۔

"میں تمہاری باتوں میں آنے والا نہیں — پولیس نے اگر سرائے کو گھیر بھی

رکھا ہے تو بھی میں کوئی پروا نہیں کروں گا — اس صورت میں بھی تم اور تمہارے بچے ہی نقصان میں رہیں گے۔"

"خیر.. کیا تم یہ بتانا پسند کرو گے کہ کس کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"میں اسے نہیں جانتا — اس نے میرے بنک کے حساب میں میری فیس جمع کرا دی تھی، اس لیے اس نے مجھ سے جو کام چاہا، وہ لیا۔ وہ کون ہے — مجھے اس سے غرض نہیں۔"

"بہت خوب — اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"تم ہمیشہ ہی ہمارے راستے میں آجاتے ہو — اب موقع ملا ہے تو تمہیں جانے کیوں دوں — میں نے سوچا ہے کہ اب تم سرائے سے واپس نہیں جاؤ گے۔"

"اور پولیس کے بکھیڑے کا کیا کرو گے۔"

"جب تک پولیس سرائے میں داخل ہوگی، میں تمہاری لاشوں کو ٹھکانے لگا چکا ہوں گا.... سرائے کے ایک طرف ایک اندھا کنواں ہے... لاشوں کو اس کنوئیں میں پھینک کر اپنے تمام آدمیوں کے ذریعے اسے ملبے سے پُر کرا دوں گا۔" خاور دادا نے اس طرح کہا جیسے بہت نیکی کا کام کرنے کا ارادہ ظاہر کر رہا ہو۔

"لیکن پولیس والے مجھے یہاں داخل ہوتے دیکھ چکے ہیں۔"

"عدالت پولیس والوں کی گواہی تسلیم نہیں کرے گی — جب تک کہ یہاں سے لاشیں برآمد نہ کر لی جائیں اور لاشیں وہ یہاں سے برآمد نہیں کر سکیں گے۔"

"وہ کیوں — کیا ان کی نظر کنوئیں پر نہیں پڑے گی؟"

"نہیں.... میں دولت کے ذریعے ان کی آنکھیں بند کر دوں گا۔"

"تمہارے پاس ہر بات کا جواب موجود ہے — تمہیں مان گیا۔ تم تینوں نے اس کی باتیں سنیں — اب تم بھی اس سے کوئی بات کر لو، شاید پھر اس سے بات کرنے کا موقع نہ ملے۔" انسپکٹر جمشید نے ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ سمجھ گئے کہ انسپکٹر جمشید کیا چاہتے ہیں۔ فوراً ہی محمود بولا۔

"بہت اچھا ابا جان — آپ نے اجازت دے ہی دی ہے تو ہم اس سے دو دو باتیں ضرور کریں گے۔"

"دو دو اس لیے کہ چار چار باتیں کی ہی نہیں جاتیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"لیکن دو اور دو تو چار ہوتے ہیں۔" فرزانہ بولے بغیر نہ رہ سکی۔

"یہ تم دو دو باتیں کر رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

"بیٹے جناب دادا جان، مرنے سے پہلے ہماری آخری خواہش ضرور پوری کر دیجئے.... اور وہ یہ کہ ہماری طرف سے یہ ایک ٹافی اور ایک چاکلیٹ کھا لیجئے — بس اس کے بعد ہم آپ سے کچھ نہیں چاہیں گے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"بکو مت — میں کوئی بچہ نہیں کہ ٹافیاں اور چاکلیٹ کھاؤں گا۔"

"جناب.. اس وقت ہم آپ کو اس کے لیے پیش کش کرنے سے رہے۔" فرزانہ بولی۔

"ویسے سرائے میں آپ کے غنڈوں کی تعداد کتنی ہے؟"

"اتنی تو ہے ہی کہ اگر وہ سب مل کر ڈنڈوں کی تم پر بارش کر دیں تو ایک ڈنڈا بھی ان کے حصے میں آئے گا۔"

"اس کا مطلب ہے... یہاں بہت سے ڈنڈے بھی موجود ہیں۔ یعنی پورا بندوبست کر رکھا ہے۔"

"ہاں! یہ بات مجھے معلوم تھی کہ تمہارے ابا جان کو میرا یہ ٹھکانا معلوم ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"اور اس کے باوجود تم یہاں چلے آئے۔"

"میں اور کہاں جاتا — اس سے محفوظ جگہ میرے پاس اور کوئی نہیں — پولیس لاکھ سر ٹپکے گی۔ مگر تمہارا پتہ نہیں پا سکے گی۔"

"آپ کھائیں یا نہ کھائیں — ہم چاکلیٹ اور ٹافی آپ کی خدمت میں ضرور پیش کریں گے۔" محمود نے کہا۔

"اور اگر آپ گڑیا سے کھیلنا پسند کریں تو میں وہ بھی پیش کر سکتی ہوں۔" فرزانہ نے یہ کہتے ہوئے ننھی سی گڑیا اس کے چہرے کی طرف کر دی۔

خاور دادا نے حیرت بھری نظروں سے گڑیا کو دیکھا — گڑیا کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی... اس کا چہرہ بہت خوفناک سا تھا۔ پھر اس کے پیٹ میں سے دھوئیں کی ایک پتلی سی لکیر نکلی اور خاور دادا آواز نکالے بغیر فرش پر گر پڑا۔

"خس کم جہاں پاک!" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"اب اس کے غنڈوں کا کیا کریں۔" محمود نے انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا۔

"ہمارے اندر داخل ہونے کے ٹھیک دس منٹ بعد ملٹری والے اندر داخل ہو جائیں گے... نو منٹ گزر چکے ہیں... ایک منٹ ابھی اور گزارنا ہے... کمرے کا دروازہ بند کر دو، تاکہ کسی کو معلوم ہی نہ ہو کہ یہاں کیا ہو چکا ہے — ظاہر ہے کہ جب تک خاور دادا اپنے آدمیوں کو آواز نہیں دے گا، وہ نہیں آئیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بالکل ٹھیک۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا اور دروازہ بند کر دیا۔

اس کے بعد انہوں نے خاور دادا کے ہاتھوں کو کمر کے پیچھے کس کر باندھ دیا — وہ ابھی تک بے ہوش تھا۔

"پروفیسر انکل کا بھی جواب نہیں — جب ایسی چیزیں بنا کر دی ہیں کہ جی خوش ہو جاتا ہے۔" محمود نے کہا۔

"تم انہیں پریشان بھی تو بہت کرتے ہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی نہیں تو... ہم تو بس ان سے درخواست کرتے ہیں اور وہ ہمیں کچھ نہ کچھ بنا کر دے دیتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

اسی وقت بھاری قدموں کی گونج ان کے کانوں میں آئی۔

"معلوم ہوتا ہے۔ ملٹری والے اندر داخل ہو گئے ہیں۔" فاروق نے چونک کر کہا۔

"ہوں — وہ جلد ہی یہاں پہنچ جائیں گے۔"

ٹھیک دو منٹ بعد دروازے پر دستک دی گئی اور ایک آواز ان کے

کانوں سے ٹکرائی "انسپکٹر صاحب — کیا آپ اس کمرے میں بند ہیں؟"

"ہاں — ہم یہیں موجود ہیں اور حالات ہمارے کنٹرول میں ہیں۔"

"بہت خوب۔ تو پھر دروازہ کھول دیجیے — ہم نے تمام بدمعاشوں کو گرفتار کر لیا ہے۔"

انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ ملٹری کے جوان اور کچھ پولیس والے وہاں کھڑے تھے۔

پندرہ منٹ بعد یہ قافلہ ریسٹ ہاؤس کا رخ کر رہا تھا... محمود، فاروق اور فرزانہ کے ذہن بُری طرح الجھے ہوئے تھے۔ اتنے حالات پیش آنے کے باوجود ابھی تک وہ یہ نہیں سمجھ پائے تھے کہ مجرم کون ہے... کیا خاور دادا... نظام دین ٹھیکیدار... ریسٹ ہاؤس کا چوکیدار، کم از کم وہ یہ ضرور جانتے تھے کہ منور رشید اور اس بوڑھے کو خاور دادا نے ختم کیا ہے... لیکن کیوں، اس کا جواب بھی ان کے پاس نہیں تھا۔

وہ انہی خیالات میں گھرے تھے کہ ریسٹ ہاؤس کے سامنے پہنچ گئے۔

★

انسپکٹر جمشید کی کہانی

ریسٹ ہاؤس کے ہال میں سب لوگ جمع تھے۔ آئی جی صاحب، ڈی آئی جی صاحب، ملٹری اور پولیس کے دوسرے آفیسر تو موجود ہی تھے... اس وقت ملک کے صدر، وزیرِ اعظم اور نائب صدر تک وہاں آ گئے تھے... کیونکہ معاملہ اتنا معمولی نہیں تھا، بہت بڑا تھا... اتنا بڑا کہ ملک کی سلامتی کا دارومدار اسی پر تھا۔ سب لوگ کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ یہاں وہ چوکیدار بھی موجود تھا جس سے محمود، فاروق اور فرزانہ کی جھڑپ ہوئی تھی۔ وہ ٹھیکیدار بھی موجود تھا جس نے مرمت کے دوران خفیہ راستہ بنایا تھا۔ اس کے ساتھی بھی یہیں تھے۔ ریسٹ ہاؤس اور سرکاری عمارتوں کا انچارج ڈاکٹر خاور بھی تھا جس نے ٹھیکیدار کو مرمت کا ٹھیکہ دیا تھا... اور خاور دادا کے ہاتھوں میں تو ہتھکڑی نظر آ رہی تھی — وہ بُری طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا اور انسپکٹر جمشید کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"انسپکٹر جمشید — خدا کے لئے جو کچھ کرنا ہے، جلد کرو...... فکر کے مارے

"ہم سب کا بُرا حال ہے" نائب صدر نے تنگ آ کر کہا۔

"فکر نہ کریں۔ جن لوگوں کو میں یہاں جمع کرنا چاہتا تھا، وہ سب آ چکے ہیں۔ اب میں آپ کی خدمت میں پوری داستان بیان کر دوں گا" انہوں نے کہا۔

"لیکن ہمیں داستان کی نہیں... مہمان صدر کی ضرورت ہے۔ داستان تو ہم بعد میں بھی سنتے رہیں گے" آئی جی بولے۔

"بہت اچھا! آپ لوگ چند منٹ انتظار کریں۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے ان کے ساتھ اٹھنا چاہا، لیکن انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہال سے باہر نکل گئے۔ سب لوگ حیران تھے کہ آخر وہ کرنا کیا چاہتے ہیں۔ وہ بے تابی سے ان کا انتظار کرنے لگے۔ ایک ایک لمحہ بھاری گذر رہا تھا۔ آخر خدا خدا کر کے انسپکٹر جمشید دوبارہ ہال میں داخل ہوئے، لیکن وہ تو تنہا تھے جب کہ ہال میں موجود اکثر لوگوں کا خیال یہ تھا کہ وہ مہمان صدر کو ساتھ لے کر لوٹیں گے۔

"یہ کیا... تم تو خالی ہاتھ آئے ہو؟" آئی جی صاحب نے بے تاب ہو کر کہا۔

"جی ہاں... ٹھیک آدھ گھنٹے بعد مہمان صدر ہال کمرے میں داخل ہوں گے ہمیں آدھ گھنٹے تک انتظار کرنا ہو گا۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"جس حالت میں وہ مجھے ملے ہیں... اس حالت میں سب کے سامنے نہیں آ سکتے۔ وہ نہا دھو کر اور لباس تبدیل کر کے آئیں گے..."

"تو کیا تم اس دوران اپنی کہانی مکمل کر لو گے؟" آئی جی صاحب نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ مہمان کی خواہش ہے کہ میں جو کچھ بھی کہوں..... ان کے سامنے کہوں۔"

"بہت خوب۔ جمشید کیا تم پورے ہوش و حواس سے یہ بات کہہ رہے ہو کہ مہمان صدر مل گئے ہیں؟" نائب صدر نے خوش ہو کر پوچھا۔

"جی ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔"

"وہ تمہیں کہاں ملے؟" ایک آفیسر نے بے تاب ہو کر کہا۔

"ابھی سب کے سامنے تفصیل سے سب کچھ بتاؤں گا، بے فکر رہیں۔"

"وہ بخیریت تو ہیں... ان کے جسم پر کوئی خراش تو نہیں آئی؟" نائب صدر نے فکر مند ہو کر پوچھا۔

"ان کے سر کے پچھلے حصے میں چوٹ آئی ہے۔ لیکن فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں چوٹ خطرناک نہیں ہے۔ میں سرکاری ڈاکٹر کو فون کر چکا ہوں اور وہ ان کے پاس پہنچ چکے ہوں گے... میرا خیال ہے... وہ پٹی کرانے کے بعد ہی یہاں تشریف لائیں گے۔"

"خدایا تیرا شکر ہے۔ ہم بال بال بچ گئے۔ جمشید! تم نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا... اگر تم نہ ہوتے تو نہ جانے ہم کہاں کہاں کی خاک چھانتے پھرتے اور مہمان صدر کو بھی ڈھونڈ نہ سکتے۔ آخر وہ تمہیں کہاں ملے؟" آئی جی صاحب روانی میں پھر پوچھ بیٹھے۔

"میں نے عرض کیا نا... ابھی تفصیل سے بتاؤں گا۔ ورنہ اس طرح

لطف نہیں آئے گا۔"

"تم میں یہ عادت بہت خراب ہے جمشید۔ کہ مزے لے لے کر بات بتاتے ہو۔" آئی جی صاحب کے لہجے میں شکایت سے زیادہ پیار تھا۔

"عادت سے مجبور ہوں جناب۔" انہوں نے بھی مسکرا کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں اصل مرحلہ تو طے ہو چکا ہے۔" ان کے لہجے میں سکون تھا۔ اطمینان تھا۔

"جی ہاں۔"

پھر وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ وقت بہت سست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ لوگ بار بار گھڑی کی طرف دیکھ رہے تھے ..... آخر خدا خدا کر کے ہال کے دروازے پر کھڑے ملٹری والے نے آواز لگائی۔

"مہمان صدر تشریف لا رہے ہیں۔"

سب سیدھے ہو کر بیٹھ گئے ..... پھر جونہی وہ اندر داخل ہوئے سب کے سب تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ ان کے لئے ایک کرسی خالی چھوڑ دی گئی تھی، وہ اس پر بیٹھ گئے۔ ان کے بیٹھتے ہی باقی تمام لوگ بھی بیٹھ گئے فوراً ہی دو ملٹری والے ان کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے پستول نکال کر اپنے دائیں ہاتھوں میں لے لئے۔ کمرے میں موجود باقی ملٹری والے بھی چوکس ہو کر کھڑے ہو گئے۔ یہ سب انسپکٹر جمشید کی ہدایات کے مطابق ہو رہا تھا۔ اچانک انسپکٹر جمشید اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے منہ سے پہلا جملہ نکلا۔

"بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ مجرم یہیں ..... ہال میں موجود ہے۔"

وہ سب ہکا بکا رہ گئے۔

○

چند لمحے تک سب سکتے کے عالم میں بیٹھے رہ گئے۔ سب کے ذہن ایک ہی بات سوچ رہے تھے کہ آخر مجرم کون ہے ... اس مرتبہ تو ابھی تک محمود، فاروق اور فرزانہ بھی یہ اندازہ نہیں لگا سکے تھے .... انہوں نے خیالی گھوڑے دوڑائے لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ سب کی نظریں انسپکٹر جمشید پر جمی ہوئی تھیں۔ آخر انہوں نے کہنا شروع کیا۔

"دشمن ملک نے یہ پروگرام اسی وقت بنا لیا تھا جب ہمارے معزز مہمان صاحب صدر نے ہمارے ملک کا دورہ کرنے کا اعلان کیا تھا۔ فوراً ہی دوسرے ملک میں منصوبہ تیار کیا گیا ... اور پھر اس کی تفصیلات خفیہ الفاظ میں یہاں موجود اپنے ایک جاسوس کو بھیج دیں۔ اس جاسوس نے منصوبے کا انتہائی غور سے مطالعہ کیا اور پروگرام بنانے لگا۔ اسے سب سے پہلے ریسٹ ہاؤس میں ایک خفیہ راستہ بنوانا تھا ... لیکن اس کیلئے پہلے ریسٹ ہاؤس میں مرمت کا کام کرانا ضروری تھا۔ اسے یہ بات معلوم تھی کہ مہمان کے آنے سے پہلے ریسٹ مرمت ضرور ہی کرایا جائے گا۔ اس کا خیال ٹھیک نکلا اور جب ڈاکٹر خاور نے مرمت کا ٹھیکہ دیا تو وہ خوش ہو گیا۔ اب اس کے کام کرنے کا وقت آ گیا تھا .... اس نے سب سے پہلے ٹھیکیدار سے خفیہ ملاقاتیں کیں۔ وہ اپنے

پہرے کو جب اپنا چھپا کر گیا تھا۔ اس نے ٹھیکیدار کو ساری بات سمجھائی
اور کہا کہ اگر وہ اس کی مرضی کے مطابق خفیہ راستہ بنا دے گا تو اسے پچاس
ہزار روپے دیئے جائیں گے۔ ٹھیکیدار لالچ میں آ گیا۔ اس نے یہ سودا منظور
کر لیا۔ اور اس سے یہ بھی پوچھا کہ وہ خفیہ راستہ کس طرح چیک کرے گا۔

اس کا جواب اس غیر ملکی جاسوس نے یہ دیا کہ اسے خود بخود معلوم ہو جائے گا
تم فکر نہ کرو۔ ظاہر ہے کہ یہ کام چوکیدار کو ساتھ ملائے بغیر نہیں ہو سکتا تھا۔ مرمت
کا کام آخر اس کی نگرانی میں ہوتا تھا۔۔ لہٰذا چوکیدار کو بھی رقم کا لالچ دے کر
ساتھ ملا لیا گیا۔

اب مرمت شروع ہوئی۔ جاسوس نے خفیہ راستے کی چیکنگ کا کام چوکیدار کے
ذمے لگا دیا تھا اور اس سے ٹیلیفون پر بات کرتا رہتا تھا۔

آخر مرمت کا کام مکمل ہو گیا اور خفیہ راستہ بھی بن گیا۔۔۔ اب صرف مہمان
کی آمد کا انتظار تھا۔ ان کے آنے سے چند دن پہلے خفیہ راستے کو چیک بھی کر
لیا گیا۔"

"آخر کیسے۔ غیر ملکی جاسوس ریسٹ ہاؤس میں کس طرح داخل ہو سکتا تھا۔"
ڈاکٹر نادر نے اعتراض کیا۔

"آپ بھول رہے ہیں، چوکیدار اس کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ اس نے چوکیدار
کو فون کیا کہ خفیہ راستہ کھول دے۔۔۔ وہ باغ کے ذریعے اندر آنا چاہتا ہے
تاکہ ہر چیز کا جائزہ لے سکے۔ دیکھے راستہ اندر سے بھی کھلتا ہے۔ چوکیدار نے
اس کی ہدایت پر عمل کیا اور غسل خانے میں جا کر بٹن دبایا۔ راستہ کھل گیا اور غیر ملکی

جاسوس فوراً اندر آ گیا۔ اس نے ہر چیز اچھی طرح دیکھی بھالی۔ چوکیدار کو اپنا پروگرام
بتایا اور چلا گیا۔

آخر مہمان تشریف لائے۔۔۔ ان کے غسل کا وقت آیا اور وہ غسل خانے میں
داخل ہوئے اندر داخل ہوتے ہی انہوں دروازہ بند کیا ہی تھا کہ ان کی ناک پر
کلوروفارم لگا رومال رکھ دیا گیا اور انہیں گرنے سے پہلے ہی سنبھال لیا گیا۔ اس
طرح کوئی آواز بھی نہ پیدا ہوئی۔ وہ کلوروفارم سے بے ہوش ہو گئے۔۔۔ اور
بس۔ اس طرح انہیں اغوا کر لیا گیا۔ سب کی آنکھوں کے سامنے سے۔"

"مگر کیسے۔ ابھی تم نے پوری تفصیل کب بتائی ہے۔" آئی جی صاحب بولے۔

"جی ہاں۔ کچھ باتیں رہ گئی ہیں۔ وہ بھی عرض کرتا ہوں۔ جب مہمان غسل خانے
سے باہر نہ نکلے اور دروازہ توڑ ڈالا گیا تو مہمان اندر نہیں تھے۔ سنسنی پھیل
گئی۔ مجھے یہاں بلایا گیا۔ میں نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو بھی یہاں پہنچنے کیلئے
فون کر دیا۔ وہ گھر سے روانہ ہوئے۔۔۔ اتفاق سے انہیں پیدل ہی آنا پڑا۔
گاڑیاں تو سب باغ کی طرف گئی ہوئی تھیں۔ ریسٹ ہاؤس کے قریب انہیں
تین آدمی ملے جو ایک بوڑھے آدمی کو سہارا دیئے لئے جا رہے تھے۔ ان کے
پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور وہ بوڑھے کو ہسپتال لے
جا رہے ہیں۔ ان تین آدمیوں میں ایک آدمی منصور رشید تھا۔ جب محمود، فاروق
اور فرزانہ آگے نکل گئے تو انہیں خیال آیا وہ لوگ تو ہسپتال کی مخالف سمت
میں جا رہے ہیں۔ وہ چونک اٹھے۔ لیکن انہیں جلد از جلد ریسٹ ہاؤس پہنچنا
تھا اس لئے ان کے تعاقب میں نہ جا سکے۔ جب انہوں نے مجھے یہ واقعہ بتایا اور

ان تینوں کا حلیہ بتایا تو میں حلیے کی مدد سے جان گیا کہ ان میں سے ایک منور رشید تھا — وہ کئی بار کا سزا یافتہ تھا — میں اس کے ٹھکانے سے واقف بھی تھا۔ سیدھا اس کے پاس گیا — اس سے پہلے میں خفیہ راستہ تلاش کر چکا تھا۔

منور رشید سے معلوم ہوا کہ انہیں اس کام پر خاور داد نے لگایا تھا۔ خاور داد نے انہیں بتایا تھا کہ ریسٹ ہاؤس کے پچھلی طرف درختوں کے جھنڈ میں شام کے وقت پہنچ جائیں۔ اس جھنڈ میں سے ایک بوڑھا نکلے گا وہ تینوں اس بوڑھے کو سہارا دیتے ہوئے اس کے گھر لائیں گے۔ اگر کوئی پوچھے تو کہہ دیں کہ حادثہ ہو گیا ہے۔

اس طرح میں خاور داد تک پہنچا۔ اس نے بھی بتایا کہ ایک نامعلوم آدمی نے فون پر مجھے یہ کام کرانے کے لئے ہدایات دی تھیں اور پانچ ہزار روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔۔ اور یہ کہ وہ نہیں جانتا، اصل معاملہ کیا ہے — میں واپس ریسٹ ہاؤس پہنچا تو پتہ چلا۔۔۔ اس دوران یہاں محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی کچھ کام کر دکھایا تھا — وہ چوکیدار تک پہنچ گئے تھے اور چوکیدار ان پر جھپٹ پڑا تھا۔ جب میں واپس آیا تو یہ اس کے کمرے میں تھے۔ خیر اس پر قابو پایا گیا اور پھر پوچھ گچھ کی گئی۔۔۔ تو اس نے بھی یہی بتایا کہ کسی نامعلوم آدمی نے فون پر بات کر کے یہ کام کرایا تھا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کا خیال پہلے ہی ٹھیکیدار کی طرف جا چکا تھا اور ٹھیکیدار کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے انہوں نے ڈاکٹر خاور صاحب کو بلایا تھا۔ ڈاکٹر خاور نے آ کر ٹھیکیدار کا پتہ بتا دیا۔ اسے اور

اس کے ساتھیوں کو پکڑ ملوایا گیا — انہوں نے بھی یہی بتایا کہ کسی نامعلوم آدمی نے ان سے یہ کام کرایا ہے۔

اب سوال یہ تھا کہ مہمان کہاں ہیں — خاور داد کے گھر میں وہ بوڑھا موجود تھا۔۔ اور میں اسے اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔ وہ مہمان نہیں ہو سکتا تھا۔ بوڑھے کو ریسٹ ہاؤس کے پیچھے سے لے جانے والی بات بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ میں چکر پہ چکر کھا رہا تھا — میں نے محمود، فاروق اور فرزانہ سے پورے واقعات تفصیل سے سنے اور اچانک مجھے ایک خیال آیا — اس خیال کی تصدیق کرنا ضروری تھا۔ میں ایک بار پھر باہر گیا — اور باہر سے واپس آیا تو مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ مجرم کون ہے — یہ کہہ کر وہ رک گیا۔

ان کے چہرے پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ ناچنے لگی۔

★

"تم تینوں ہال کے باہر سے وہ چیز لے آؤ جس کی میں نے تمہیں ہدایت کر رکھی ہے۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ بھونچکے رہ گئے۔ انہوں نے تو کسی چیز کے بارے میں بھی ہدایت نہیں کر رکھی تھی، لیکن وہ اپنے والد کو خوب جانتے تھے... اس لیے فوراً ہی اٹھے اور باہر نکل گئے۔

"دراصل..." انسپکٹر جمشید نے کہنا شروع کیا: "غسل خانے میں کام بہت سوچ سمجھ کر کیا گیا۔ پروگرام پہلے ہی طے تھا کہ جب مہمان غسل خانے سے برآمد نہیں ہوں گے تو ظاہر ہے کہ مجھے یہاں بلایا جائے گا اور میں بچوں کو بھی یہاں بلواؤں گا۔ ٹیکسی رکشا ملنے کا امکان پہلے ہی کم تھا۔ اس لیے لازمی تھا کہ محمود فاروق اور فرزانہ پیدل آتے، چنانچہ وقت کا اندازہ پہلے ہی لگا لیا گیا اور ریسٹ ہاؤس کے پیچھے سے منور رشید اور اس کے دو ساتھی بوڑھے کو لے کر چل پڑے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ محمود، فاروق اسے دیکھ لیں اور اس سے ہم یہ سمجھیں کہ دراصل وہ بوڑھا ہی مہمان تھا۔ اور یہ کہ اسے ریسٹ ہاؤس کے پچھلے حصے سے کسی طرح لے جایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ غسل خانے میں خفیہ راستے کا خیال فوراً ہی ذہن میں آتا۔ اس لیے غسل خانے میں سیاہ رنگ کا ایک بٹن سفید ٹائلوں پر بنا دیا گیا۔ جس سے دروازہ کھلتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بٹن آسانی سے تلاش کر لیا گیا اور راستہ بھی مل گیا مگر اس راستے کے ملنے کے باوجود مہمان نہ مل سکے۔ اور یہی مجرم چاہتا تھا کہ ہم چکرا کر رہ جائیں..... ہماری عقلیں خبط ہو جائیں..... ہمیں کچھ سجھائی نہ دے۔ دراصل کام بہت

عجیب حکم

وہ سب حیرت زدہ رہ گئے۔ آخر وہ کیا بات تھی جو انہیں باہر معلوم ہوئی تھی اور جس کے بعد انہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ مجرم کون ہے۔

"بہت خوب، اب ذرا جلدی سے بتا دو... وہ کون ہے... ہماری بے چینی میں اضافہ ہو رہا ہے۔" آئی جی صاحب بولے۔

"جی ہاں۔ اب میں اسی طرف آ رہا ہوں۔"

"لیکن سب سے پہلے تمہیں یہ بتانا چاہیے کہ مہمان غائب کر کے کہاں رکھا گیا تھا۔ تم نے انہیں کہاں پایا۔" وزیر اعظم نے پہلی مرتبہ گفتگو میں دخل دیا۔

"جی بہت بہتر... اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو پہلے یہی بیان کیے دیتا ہوں۔" انہوں نے کہا... پھر ایک نظر سب پر ڈالی اور چونک اٹھے۔ اچانک وہ محمود فاروق اور فرزانہ کی طرف مڑے۔

چالاکی سے لیا گیا..."

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" ڈی آئی جی صاحب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہی یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو خفیہ راستہ ہم نے تلاش کیا... مہمان کو اس راستے سے نہیں لے جایا گیا تھا۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"جی ہاں — یہی وہ چکر تھا جو مجرم نے ہمیں دیا تھا — مہمان تو دراصل شروع سے لے کر آخر تک — ریسٹ ہاؤس میں ہی رہے — انہیں تو باہر لے جایا ہی نہیں گیا۔"

"ہیں — کیا — یہ کیا بات ہوئی۔" مختلف لوگوں کی حیرت میں ڈوبی آوازیں گونج اٹھیں۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو جمشید... مہمان سب کے سامنے غسل خانے میں گئے تھے — اور جب غسل خانے کا دروازہ توڑا گیا تو یہ اندر نہیں تھے — اس کا تو صاف مطلب یہ ہے کہ انہیں خفیہ راستے سے باہر لے جایا گیا تھا۔" نائب صدر نے حیران ہو کر کہا۔

"جی نہیں — یہ نہیں ہوا — اور یہی مجرم کی کامیابی تھی — وہ ہم سب کو دھوکے میں رکھنے میں کامیاب ہو گیا — ہم سب یہی سمجھتے رہے کہ مہمان کو اغوا کر کے باہر لے جایا جا چکا ہے — جب کہ ایسا نہیں تھا۔"

"تو پھر... آخر ہوا کیا تھا؟"

"دراصل غسل خانے میں ایک خفیہ راستہ نہیں... دو راستے بنائے

گئے تھے۔"

"کیا!!"

وہ چلا اٹھے — سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

○

ہال سے باہر آ کر وہ تینوں برآمدے میں کھڑے ہو گئے۔

"بات سمجھ میں نہیں آئی — آخر ابا جان نے ہمیں باہر کیوں بھیج دیا۔" محمود نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تاکہ ہم کہانی کا باقی حصہ نہ سن سکیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"نہیں، میرا خیال ہے کہ انہوں نے کسی خطرے کو بھانپ لیا تھا اور اس خیال سے ہمیں باہر بھیج دیا کہ ہم اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"لیکن وہ خطرہ کیا ہے؟" فاروق نے سوال کیا۔

"ظاہر ہے کہ مجرم ہال میں ہی موجود ہے... وہ ضرور کوئی چال چلے گا۔" محمود نے کہا۔

"تو پھر... اب ہم کیا کریں — ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ مجرم دراصل کون ہے —" فاروق بولا۔

"ابا جان نے کچھ سوچ کر ہی ہمیں باہر بھیجا ہے۔ کیا سوچ کر بھیجا ہے۔ یہ ہمیں سوچنا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"تو پھر سوچو۔ تم سوچنے کی ماہر ہو۔" فاروق بولا۔

"ہمیں ہال کے اردگرد کا جائزہ لینا چاہیے۔ آؤ۔"

انہوں نے ہال کا ایک چکر لگایا... ہال میں کھلنے والے روشن دان انہیں کہیں بھی نظر نہ آئے۔

"اس کا مطلب ہے، روشن دان چھت پر ہیں۔"

"ہاں۔ آؤ چھت پر چل کر دیکھیں۔"

انہوں نے ہال کے دروازے پر کھڑے ملٹری کے جوانوں کو اشاروں میں بتایا کہ وہ اوپر جا رہے ہیں اور یہ کہ ان کے بارے میں کسی کو نہ بتائیں۔ فوجیوں نے مسکرا کر سر کے اشارے سے جواب دیا کہ وہ ان کا مطلب سمجھ گئے ہیں۔

اوپر پہنچ کر انہوں نے دیکھا... ہال کی دیواریں چھت سے بھی اوپر نکل گئی تھیں اور چھت سے کوئی دو فٹ اوپر ان دیواروں میں روشندان بنے تھے۔ انہوں نے ایک روشن دان میں سے جھانک کر نیچے دیکھا تو سب لوگ صاف نظر آئے۔

"ہم یہاں سے ہال میں ہونے والی گفتگو سن سکتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"لیکن ہم صرف گفتگو سننے کے لئے باہر نہیں بھیجے گئے۔" فرزانہ نے خبردار کرنے والے انداز میں کہا۔

"ہاں۔ ٹھہرو... میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے۔" اچانک محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"چلو... ٹھہر گئے۔" فرزانہ بھی مسکرائی۔

"ٹھہرنے کے لئے چلنے کی کیا ضرورت ہے۔" فاروق سے رہا نہ گیا۔

"یہ مذاق کا وقت نہیں۔" محمود نے اسے جھڑک دیا اور پھر جھک کر اس کے کان میں کچھ کہنے لگا۔ فرزانہ نے بھی اپنا کان اس کے منہ کے قریب کر دیا۔

دوسرے ہی لمحے فاروق دبے پاؤں سیڑھیاں اترتا نیچے جا رہا تھا۔

★

مُجرم کا قہقہہ

"جی! دوسرا راستہ ایک لٹو گھمانے سے کھلتا ہے۔ پورے غسل خانے کو غور سے دیکھنے پر بھی یہ لٹو نظر نہیں آتا۔ لیکن جب میں نے روشن دان میں سے باہر جھانکا چاہا تو مجھے وہ لٹو نظر آ گیا.... غسل خانے کی دیوار عمارت کی بیرونی دیوار ہے.... اس طرح وہ لٹو بنایا گیا تھا.... اس صورت میں اس کا نظر آنا مشکل ہی تھا— میں نے اسے گھمایا تو دائیں دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہو گیا اور میرے سامنے کوئی اڑھائی فٹ چوڑا خلا آ گیا۔ اس خلا میں مہمان مرے نڑھے پڑے تھے— یہ خلا دیوار کی چوڑائی کے اندر بنایا گیا ہے۔"

"اوہ!" ان سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

مہمان صدر شروع سے آخر تک خاموش بیٹھے رہے تھے— وہ غور سے انسپکٹر جمشید کی باتیں سن رہے تھے۔ ان کے چہرے پر ایک خوش گوار سی مسکراہٹ تھی.... اب ان سے رہا نہ گیا۔ انہوں نے کہا۔

"ایک سوال میں بھی کروں گا۔"

"ضرور فرمایئے۔" انسپکٹر جمشید ان کی طرف تکنے لگے۔

"اس سارے پروگرام پر عمل کرنے کے لئے ضروری تھا کہ غسل خانے میں ایک آدمی پہلے سے موجود ہوتا— ظاہر ہے کہ وہ ریسٹ ہاؤس کا کوئی آدمی نہیں ہو سکتا تھا۔"

"آپ نے بالکل درست اندازہ لگایا.... ایک آدمی غسل خانے میں پہلے ہی پہنچا دیا گیا تھا.... اس نے آپ کے منہ پر کلوروفارم کا رومال رکھا تھا اور دوسرا خفیہ خانہ کھول کر آپ کو اس میں لٹا کر لٹو الٹا گھما دیا تھا۔ اس طرح وہ دروازہ غائب ہو گیا۔"

"اور وہ خود کہاں گیا— وہ تھا کون؟" آئی جی صاحب نے پوچھا۔

"وہ وہی بوڑھا تھا جسے تین آدمی سہارا دے کر لے جا رہے تھے— مہمان کو خفیہ خانے میں بند کرنے کے بعد اس نے پہلے راستے کا بٹن دبایا اور نکل گیا۔ دوسری طرف جا کر اس نے راستہ بند کر دیا— وہ درختوں کے جھنڈ میں نکلا تو وہاں منور رشید اور اس کے دو ساتھی موجود تھے.... انہوں نے اسے ادھر ادھر سے سنبھال لیا تاکہ ایکسیڈنٹ کا بہانہ بنا سکیں اور محمود، فاروق اور فرزانہ اسے دیکھ سکیں۔"

"اف خدا— کس قدر لاجواب منصوبہ تھا۔" کسی نے کہا۔

"اب صرف اتنی بات رہ گئی ہے کہ وہ غیر ملکی جاسوس کون ہے؟" آئی جی صاحب نے پوچھا۔

"جی ہاں — میں یہ بھی بتاؤں گا — یہ تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ وہ اس کمرے میں موجود ہے۔"

"بہت خوب! ہم سب اسے دیکھنے کے لئے بے چین ہیں۔"

"اس سے پہلے ایک کام اور کرنا ہو گا..... اور وہ یہ کہ ملٹری کے مسلح جوان اپنے اپنے پستول ہاتھوں میں لے کر ہال میں موجود تمام لوگوں کے پیچھے کھڑے ہو جائیں۔ کوئی ذرا بھی حرکت کرنے کی کوشش کرے، اسے فوراً گولی مار دی جائے۔"

انسپکٹر جمشید کا یہ اعلان بہت سنسنی خیز تھا۔ سب دھک سے رہ گئے۔ ہال میں موجود ملٹری کے جوانوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ وہ ہر ایک کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے پستول نکال کر اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

"سب سے پہلی بات تو یہ کہ چوکیدار... جسے ہم صرف چوکیدار سمجھتے رہے ہیں.... اس غیر ملکی جاسوس کا باقاعدہ ساتھی ہے اور دراصل یہ خود بھی ہمارے دشمن ملک کا جاسوس ہی ہے۔"

"کیا —" کئی آوازیں ابھریں۔

"جی ہاں!" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا یہ صرف ایک اتفاق ہے؟"

"جی نہیں — اتفاق نہیں..... ڈاکٹر خاور چونکہ ریسٹ ہاؤس اور دوسری سرکاری عمارات کے انچارج ہیں، اس لئے ان کے لئے یہ کام کیا مشکل ہے کہ یہ اپنی مرضی کے آدمیوں کو ایسی جگہوں پر ملازم رکھ لیں کہ ضرورت پڑنے پر

ان سے کام بھی لے سکیں" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا!!" ہال میں موجود زیادہ تر آدمی اپنی جگہوں پر اچھل پڑے۔

○

"یہ جھوٹ ہے.... غلط ہے.... بلاوجہ مجھے پھانسنے کی سازش ہے" ڈاکٹر خاور چلا اٹھا۔

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ غلط ہے" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اور آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں غیر ملکی جاسوس ہوں... مجھے تو اس ملک میں رہتے ہوئے پورے پچیس سال ہو گئے ہیں۔ میں ہجرت کر کے یہاں آیا تھا۔"

"ہجرت کر کے آنا اس بات کا ثبوت ہرگز نہیں کہ آپ غیر ملکی جاسوس نہیں ہیں" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میرا ریکارڈ ملاحظہ فرمایئے... میں نے ملازمت کے دوران آج تک کوئی بے قاعدگی نہیں کی۔"

"وہ اس لئے کہ کوئی آپ پر شک نہ کر سکے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جمشید — بات کو طول نہ دو — ضرور تمہارے پاس ان کے خلاف کوئی ثبوت تو ہو گا۔"

"جی ہاں — ثبوت کے بغیر تو میں کسی کو مجرم ٹھہرایا ہی نہیں کرتا۔"

"بس تو پھر ثبوت پیش کرو۔"

"ڈاکٹر خاور... میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"فرمایئے!" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"جب آپ کو یہاں بلوایا گیا... اور ساری بات آپ کو بتائی گئی اور آپ نے ٹھیکیدار کے متعلق بتایا تو آپ کو ریسٹ ہاؤس میں ہی ٹھہرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ کیا یہ بات ٹھیک ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔" اس نے بے فکری سے کہا۔

"اور آپ نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ آپ فون پر اپنے گھر والوں کو اطلاع دینا چاہتے ہیں۔ میرے بچے آپ کو فون والے کمرے تک چھوڑنے بھی گئے تھے اور آپ نے ان کے سامنے ہی نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے تھے۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"ہاں تو پھر... کیا میں اس سے مجرم ثابت ہو جاتا ہوں۔" اس نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"ہاں میرے ملک کے دشمن... صرف اتنی سی بات سے تم مجرم ثابت ہو جاتے ہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"وہ کیسے... ذرا میں بھی تو سنوں؟" اس نے ہنس کر کہا۔

"وہ ایسے کہ تم نے اپنے گھر فون نہیں کیا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے اچانک کہا۔

"کیا کہا... گھر فون نہیں کیا تھا؟" ڈی آئی جی کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں!" وہ مسکرائے۔

"تو پھر کہاں ٹیلیفون کیا تھا۔" ڈاکٹر خاور نے تنک کر کہا۔

"خاور داد کو... تم نے اسے فون پر حکم دیا تھا کہ منور رشید اور اس بوڑھے کو ہلاک کر دے۔ اور اس کام کے لئے تم نے اسے پچاس ہزار روپے اور دینے کا وعدہ کیا تھا۔"

"اوہ!" دوسروں نے حیران ہو کر کہا۔

"اب کہو... یہ ثبوت کافی ہے یا کچھ اور پیش کروں۔"

"تم عدالت میں کیسے ثابت کرو گے کہ میں نے اپنے گھر فون نہیں کیا تھا بلکہ خاور داد کو کیا تھا۔" اس نے پوچھا۔

"تمہارے گھر والوں کا بیان ہے کہ تمہارا کوئی فون انہیں نہیں ملا۔ میں یہاں سے سیدھا تمہارے گھر گیا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا، پھر بولے: "اب یہ نہ پوچھنا کہ مجھے تمہارے گھر کا پتہ کس طرح معلوم ہوا۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں... تمہارے دفتر سے فوراً پتہ معلوم ہو گیا تھا۔"

"میرے گھر والوں سے تم نے اپنی مرضی کا بیان لے لیا ہو گا۔ عدالت میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔" اس نے اکڑ کر کہا۔

"بہت خوب... لیکن تم نے یہ تو سنا ہی نہیں کہ میں نے تمہارے گھر والوں کو کیا بتایا تھا۔ میں نے انہیں بتایا تھا کہ تم ایک مصیبت میں گھر گئے ہو... اور میں تمہارا وکیل ہوں... اس لئے مجھے تمہارے کاغذات کی سخت ضرورت ہے... گھر والوں نے فوراً مجھے تمہاری الماری دکھا دی... اور میں نے وہ کاغذات حاصل کر لیے ہیں کہ جن کی رو سے تم غیر ملکی جاسوس ہو... اور اس ثبوت کے

بعد دنیا کی کوئی طاقت تمہیں پھانسی کے پھندے سے نہیں بچا سکتی۔"
ہال میں سناٹا چھا گیا۔ ہر کسی کی نظریں ڈاکٹر خاور پر جم گئیں کہ دیکھیں وہ انسپکٹر جمشید کی اس بات کے جواب میں کیا کہتا ہے۔ لیکن اس کے منہ سے جواب میں کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ پھر اچانک اس کا قہقہہ ہال میں گونجا۔ یہ قہقہہ اتنا ا
کہ کسی طرح رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

★

قہقہے کے بعد

ڈاکٹر خاور کا قہقہہ کسی طرح رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ وہ لوگ اسے کھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ حیرت کے مارے ان سب کا برا حال تھا۔ خر وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ضرور ڈاکٹر خاور کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ہ اس کے قہقہے کے رکنے کا انتظار کرتے رہے... لیکن جونہی قہقہہ رکا... اس آواز ہال میں گونجی۔

"انسپکٹر جمشید... تم ہار گئے۔ میں جیت گیا... میرا ملک جیت گیا۔"

"کیا مطلب۔" کئی آوازیں ابھریں۔

"میرے ملک کے لوگ بہت چالاک ہیں... بہت ہوشیار ہیں... وہ جانتے ے... ڈاکٹر خاور پر کبھی ایسا وقت بھی آ سکتا ہے... انہوں نے اس کا توڑ ے ہی کر دیا تھا... تمہارا ملک... ظاہر ہے کہ مجھے پھانسی کی سزا دے گا... پھر کیوں نہ میں تم سب کو بھی ساتھ لے کر مروں۔"

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید بُری طرح چونکے۔

"مطلب یہ کہ... تم میری کلائی پر بندھی اس گھڑی کو دیکھ رہے ہو نا... ریسٹ ہاؤس میں جب مجھے بلایا گیا تو میں نے احتیاطاً اسے اپنی کلائی پر باندھ لیا تھا..."

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" انہوں نے چونک کر پوچھا۔

"مطلب یہ ہے کہ یہ گھڑی نہیں ہے... میرے ملک کے ذہین سائنس دانوں کا بنایا ہوا ایک بم ہے... ایک ایسا بم کہ میں اس کی چابی کو باہر کھینچ لوں تو یہ پوری عمارت جلنے کا ڈھیر بن جائے... میرا دایاں ہاتھ چابی پر ہے... ایک ہلکا سا اشارہ چابی کو باہر کھینچنے کے لیے کافی ہوگا۔ اب حکم دو میرے سر پر کھڑے اس فوجی کو کہ وہ مجھے گولی مار دے۔ اس سے پہلے کہ یہ مجھے گولی مارے گا، میں چابی کو کھینچ دوں گا۔"

وہ سب ساکت رہ گئے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ حالات اس طرح بھی پلٹا کھا سکتے ہیں۔ انہوں نے سنا، ڈاکٹر خاور کہہ رہا تھا۔

"سب لوگ اپنے اپنے پستول یا دوسرے ہتھیار درمیانی میز پر رکھ دو۔ اگر میرا حکم نہ مانا گیا تو میں چابی کھینچ دوں گا۔"

"تم ہمیں بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ یہ گھڑی ہی ہے — اور کچھ نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے ٹٹولنے والی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھا — مجھے تو ایسے بھی مرنا ہے — میں چابی کھینچے دیتا ہوں —"

اس نے کہا۔

"ٹھہرو — ہم ہتھیار ڈال رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بولے... پھر انہوں نے سب سے پہلے اپنا پستول نکال کر قالین پر پھینک دیا۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی یہی کیا۔ دروازے پر کھڑے فوجیوں کو بھی اندر بلا لیا گیا۔

"بہت خوب — اب تم ان سب کو باندھ لو۔" اس نے چوکیدار ٹھیکیدار اور اس کے ساتھیوں سے کہا۔

"بہت بہتر۔" وہ آگے بڑھے۔

"سب لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

انہوں نے مجبوراً ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ ڈاکٹر خاور کے ساتھیوں نے جلدی جلدی دوسروں کو باندھنا شروع کر دیا... ڈاکٹر خاور کا ہاتھ بدستور چابی پر تھا۔ انسپکٹر جمشید کی نظریں بدستور اس پر جمی تھیں۔

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" آخر انہوں نے پوچھا۔

"تم سب کو باندھ کر یہاں سے نکل جائیں گے... اور پھر تم ہمیں گرفتار نہ کر سکو گے اور ہاں جاتے ہوئے یہاں صدر کو بھی گولی مارتے جائیں گے۔" اس نے کہا۔

"لیکن تم فرار ہو کر جاؤ گے کہاں؟" انسپکٹر جمشید ہنسے۔ "آخر گرفتار کر لیے جاؤ گے۔"

"یہاں گرفتار کرنا بہت مشکل ہے... ہمارے ملک کے کچھ ہی جاسوس

بھی یہاں موجود ہیں۔ ہم سیدھے ان کے ہاں جا کر پناہ لیں گے اور پھر اپنی حکومت سے رابطہ قائم کریں گے۔ وہ خود ہی کوئی بندوبست کرے گی۔"

"بہت خوب! پروگرام تو اچھا ہے..." انسپکٹر جمشید نے اس کی تعریف کی۔ وہ دراصل اسے باتوں میں لگانا چاہتے تھے۔

"شکریہ!"

جلد ہی ان سب کو باندھ لیا گیا۔ صرف مہمان صدر کو نہیں باندھا گیا تھا۔

"انہیں باندھنے کی ضرورت نہیں... یہ بیچارے تو ابھی اگلے جہاں چلے جائیں گے" ڈاکٹر خاور نے کہا تھا۔

جب سب بندھ گئے تو ڈاکٹر خاور نے بم کی چابی پر سے ہاتھ ہٹا لیا اور یہی اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ فوراً ہی ایک فائر ہوا... ڈاکٹر خاور کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکلی اور وہ اوندھے منہ قالین پر گر پڑا۔ ساتھ ہی روشن دان سے محمود کی آواز سنائی دی۔

"خبردار! باقی لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دیں۔ ورنہ ان کا بھی وہی حشر ہوگا جو ڈاکٹر خاور کا ہوا ہے۔"

ان کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ کسے معلوم تھا کہ کایا اس طرح بھی پلٹ سکتی ہے۔

★

صدر کا تحفہ

"فاروق... فرزانہ... جلدی نیچے اترو اور سب لوگوں کی رسیاں کھول دو۔" محمود کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

فوراً ہی دونوں نیچے اترے اور جلدی جلدی رسیاں کھولنے لگے۔ انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر سب سے پہلے ڈاکٹر خاور کی کلائی سے گھڑی نما بم اتار لیا اور پستول اٹھا کر ان لوگوں پر تان دیا۔ پھر محمود سے بولے۔

"اب تم نیچے آسکتے ہو محمود۔ میں نے تمہیں اسی لئے ہال سے باہر بھیج دیا تھا... میں جانتا تھا کہ دشمن ضرور کوئی نہ کوئی بندوبست کر کے آیا ہوگا۔ اگر تم ہال میں ہی رہتے تو اس وقت نقشہ اور ہوتا۔ خدا کا شکر ہے، میں نے تمہیں وقت پر باہر بھیج دیا۔ مگر تم نے پستول کہاں سے لیا۔"

"ہال کے دروازے پر کھڑے فوجیوں سے۔ ہم بھی یہ سمجھ گئے تھے کہ معاملہ خطرناک ہے۔ اس لئے ہمیں باہر بھیجا گیا ہے۔ اور ہمارا خیال درست ہی نکلا۔

مہمان صدر تینوں بچوں کو اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہوں۔ آخر ان سے رہا نہ گیا، بولے:

"یہ بچے کون ہیں — کیا آپ کے محکمہ سراغرسانی میں اتنی عمر کے بچے بھی کام کرتے ہیں؟"

ان کی اس بات پر سب مسکرا پڑے۔ پھر نائب صدر بولے۔

"یہ ہمارے ملک کے انسپکٹر جمشید ہیں... محکمہ سراغرسانی کے سب سے مشہور آدمی۔ انہوں نے نہ جانے کتنے غیر ملکی جاسوسوں اور ملکی مجرموں کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچایا ہے — مجرم ان کے نام سے بھی کانپتے ہیں اور یہ تینوں ان کے بچے ہیں — انہیں بھی باپ کی طرح سراغرسانی کا شوق ہے... انہوں نے بھی بڑے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں۔ آپ نے دیکھ ہی لیا۔ ویسے ان کے کارناموں کی فائل آپ کے سامنے پیش کر دیں گے۔"

"میں ان کارناموں کو ضرور پڑھوں گا... یہاں سے فارغ ہونے کے بعد مجھے ان سے ضرور ملوایئے گا — میں انہیں اپنے ملک آنے کی دعوت دوں گا۔" انہوں نے خوش ہو کر کہا۔

"بہت بہتر۔"

تمام مجرموں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں۔ پھر سب نے غسل خانے میں جا کر اس دوسرے خفیہ خانے کو دیکھا۔ وہ اسے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے — یہ کاریگری کا ایک نادر نمونہ تھا۔ ریسٹ ہاؤس سے جب انسپکٹر جمشید اور تینوں بچے رخصت ہونے لگے تو مہمان صدر نے ان سے نہایت گرم جوشی

سے ہاتھ ملایا اور بولے:

"میں آپ چاروں کو ہمیشہ یاد رکھوں گا... کل پرسوں میری اور آپ کی ایک ملاقات اور بھی ہوگی — اس ملاقات میں میں آپ کو اپنے ملک آنے کی باقاعدہ دعوت دوں گا۔"

"شکریہ جناب!" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"اور اس دن میں بچوں کو چند تحائف بھی پیش کروں گا۔"

"اس کی کیا ضرورت ہے جناب!" محمود نے بااخلاق لہجے میں کہا۔

"نہیں — اس کی ضرورت ہے۔" انہوں نے کہا اور تینوں کے گالوں پر تھپکی دی۔ اس کے بعد وہ ریسٹ ہاؤس سے نکل آئے۔

دوسرے دن ریڈیو پر اعلان کیا جا رہا تھا کہ مہمان صدر کی طبیعت اب بالکل ٹھیک ہے اور آج شام وہ شہریوں کی طرف سے دی جانے والی دعوت میں شرکت کریں گے۔

یہ خبر سارے شہر سے چھپا لی گئی تھی کہ مہمان صدر کو اغوا کر لیا گیا تھا، اس لیے انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ کا یہ کارنامہ اخبارات میں نہ آ سکا۔ لیکن سرکاری فائلوں میں ضرور محفوظ کر دیا گیا۔

اور پھر مہمان صدر نے ملک سے رخصت ہونے سے پہلے ان سے ایک الگ کمرے میں ملاقات کی — یہاں انہوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو دو دو کے تین خوبصورت پستول تحفے میں دیے — انہوں نے بتایا کہ یہ پستول [illegible] ہیں — بلکہ ان سے باقاعدہ فائر کیا جا سکتا ہے — اب یہ دوسری بات ہے کہ

ان سے نکلنے والی گولی کسی کو موت کے گھاٹ نہیں اتارتی ... البتہ بے ہوش ضرور کر دیتی ہے ـــ وہ اس عجیب و غریب تحفے کو پا کر بہت خوش ہوئے ـــ ان کے ساتھ پستولوں میں بھری جانے والی گولیوں کے تین ڈبے بھی تھے۔ مہمان صدر نے بتایا کہ یہ پستول ان کے ملک کے سائنس دانوں نے بنائے ہیں اور یہ عام آدمیوں کے لیے نہیں ... صرف صدر اور وزرا کے بچوں کے لئے بنائے گئے ہیں۔

تیسرے دن مہمان صدر ملک سے رخصت ہو رہے تھے تو وہ ایئر پورٹ پر کھڑے ہاتھ ہلا ہلا کر انہیں الوداع کہہ رہے تھے۔

محمود، فاروق، فرزانہ اور
انسپکٹر جمشید کے کارنامے

بنک کے ڈاکو

- محمود اور فاروق جونہی بنک کے دروازے سے باہر نکلے، انہوں نے ایک گرج دار آواز سنی: ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔
- بنک کے باہر مجرموں کی ایک جیپ کھڑی تھی۔
- محمود اور فاروق جیپ کے پہیوں کے نیچے لیٹ گئے لیکن .... لیکن فاروق کی چھینک نے معاملہ گڑبڑ کر دیا۔
- بنک کے ڈاکو کیا چرانا چاہتے تھے کیا صرف نقدی یا کچھ اور...!!
- ایک خوفناک .... جس میں آپ کے محبوب کرداروں محمود، فاروق، فرزانہ کو ایک خوفناک جنگ لڑنا پڑی .... اتنی خوفناک کہ محمود اور فاروق بے بس ہو گئے اور اس وقت فرزانہ کا ایک نیا روپ سامنے آیا۔ اس روپ سے خود محمود اور فاروق بھی بے خبر تھے ـ آپ یقیناً فرزانہ کو اس روپ میں دیکھ کر جوش میں بھر جائیں گے۔

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے کارنامے

سنسنی خیز
ہنگامہ آرا، مزاح
سے بھرپور،
جاسوسی اور
مہماتی ناول
آپ کے لیے

اشتیاق احمد

نے لکھے ہیں۔
پہلے چھ ناول
شائع ہو چکے
ہیں۔

مندرجہ بالا پہلے چھ ناول آج ہی اپنے بک اسٹال سے طلب کیجیے یا براہ راست ہم سے منگوائیں۔ مکمل سیٹ منگوانے پر محصول ڈاک ہمارے ذمے ہوگا۔

مکتبہ اقرا